رجسٹرڈ نمبر ایل ۵٦٨٢

جون ١٩٥٦ جولائی ١٩٥٦

ماهنامه - جلاوطن - لاهور

Tragic-Episode of Our Birth Rights in India

6

انڈیا - میں - همارے - پیدائشی - حقوق کی

داستان غم

Confidential documents



Islam Triumphant

G. M. D. P. 3-2-82

Ghazi Mahmud Dharampal Book : Dastan e gham-6 داستان غم

Secrets of love, life and death

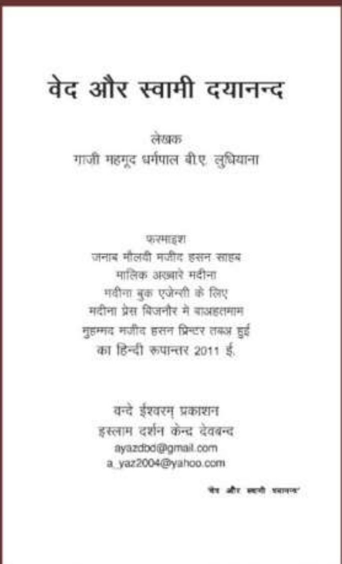
Some secrets of love, life and death are revealed in this sixth part of the interlinked tragic episode series. It is neither a dream nor a fiction, but hard facts as observed by one who is still in the land of the living. It may be enigmatic to some and heretical to others, but the facts speak of themselves as they were. These are unveiled not by the free will of the writer, but at the dictates of Him, Who is behind all this panorama, as is declared in the very beginning of the second part of this series.

Ghazi Mahmud Dharampal

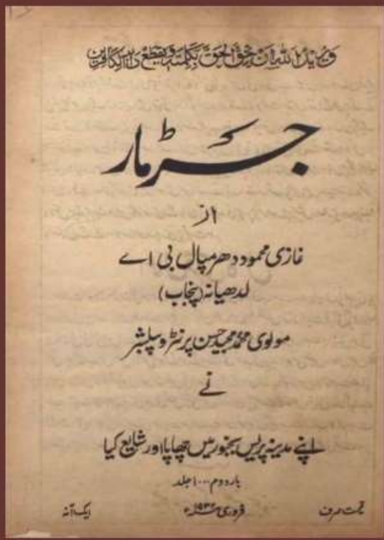
Books available on

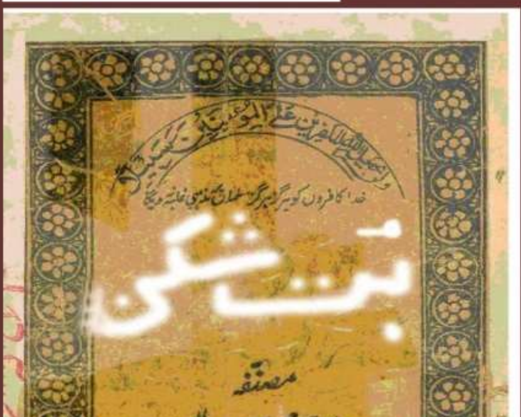
www.archive.org

& www.rekhta.org









but-shikan' by Ghazi Mahmud Dharmpal (Ex- Arya Pandit)



رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۶۸۲

جون ۱۹۵۶ء — جولائی ۱۹۵۶ء

ماہنامہ

جلاوطن

لاہور

TRAGIC EPISODE OF OUR BIRTH RIGHTS IN INDIA

انڈیا میں ہمارے پیدائشی حقوق کی داستانِ غم

حصہ ششم



حکومت ہند اور حکومت پاکستان کی خدمت میں یادداشت

ایڈیٹر

غازی محمود دہرمپال بی۔ اے آف لدھیانہ

ڈہائی سو کاپی ۳۰/۱۲ نسبت روڈ لاہور قیمت ۵ روپیہ

ہم نے تیرا انشراح قلب کیا

ہم نے تیرے قلب پر سے وہ بوجھ اتار دیا

جو تیرے لیے ناقابل برداشت تھا

ہم نے تیرے طریق عبادت کو تیرے

لیے ذریعہ ارتقاء بنایا

میرا یہی صراط مستقیم ہے

تو اس پر گام زن ہو

اور ادھر اُدھر مت دیکھ

انڈیا میں ہمارے پیدائشی حقوق

کی

داستانِ غم

باب یازدہم

پہلی فصل

انکشافات

انڈیا میں اپنے پیدائشی حقوق کی داستانِ غم بیان کرتے کرتے اب میں اس داستان کے اس حصے میں داخل ہونیوالہ ہوں۔ جو میری زندگی کا نہایت اہم اور پراز اسرار حصہ ہے۔ بیرونی طور پر انڈیا کی تحریکِ حریت میں میں پوری سرگرمی سے حصہ لیتا تھا۔ میں یہ جانتا تھا۔ کہ انڈیا میری مدرلینڈ۔ فادرلینڈ اور ہوم لینڈ ہے۔ اور کہ کسی بیرونی ملک یا قوم کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کہ وہ ہماری ملکی سیاست میں دخل دے۔ ان ہی جذبات کو لیکر میں ہر ایک ایسی تحریک میں شریک ہوجاتا تھا۔ جو انڈیا کو

سیاسی غلامی کی زنجیروں سے رہائی دلانے میں کچھ بھی سرگرم عمل ہو۔ نیز میں ایسی کسی بھی تحریک کو کرش کر دینے کے حق میں تھا۔ جو ہماری تحریک حریت کے راستے میں کانٹا بنتی ہو۔ چنانچہ اپنی ذہنیت کے ان ہی دو پہلوؤں کو لے کر جیسا کہ میں پیچھے دکھا چکا ہوں۔ میں قید و بند اور دار و رسن کی پرواہ کئے بغیر جیل میں آنے جانے کو معمولی شغل سمجھتا تھا۔ میں انسانوں کی ہر ایک کمزوری یا غلطی پر چشم پوشی کر سکتا تھا۔ مگر منافقت کو کسی صورت میں برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ اس لئے جب میں دیکھتا تھا۔ کہ کوئی شخص یا جماعت منافقت سے کام لے رہی ہے۔ تو میں اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا تھا۔ اور اس بات کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا تھا۔ کہ وہ جو آج میرا دوست ہے۔ وہ میرا مخالف بن جائے گا۔ اور مجھے شدید نقصان پہنچائے گا۔ مگر میں منافقت کو طشت ازبام کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتا تھا۔ میری اس ذہنیت نے میری زندگی کو خاردار بنا دیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی روحانی طور پر میرا جو تعلق اس طاقت کیساتھ تھا۔ جس کو میں اس داستان میں فارقلیط کے نام سے پکارتا آ رہا ہوں۔ اس نے میری زندگی کو گلزار بنا دیا۔ اس طاقت نے مجھ پر ایسے ہزار ہا رازہائے سربستہ کا انکشاف کیا۔ اور ایسے شکوک کا ازالہ فرمایا۔ جن کا دور کیا جانا انسانی طاقت سے قطعاً بالاتر تھا۔ بالاتر ہے۔ اور بالاتر ہی رہیگا۔ یہ کچھ اس قسم کے کانٹے تھے۔ جو بڑے بڑے نبیوں اور رسولوں

سے کے بھی پوجھے تھے۔ میں کوئی نبی۔ رسول یا ولی نہیں تھا۔ مگر ایک جگیاسو یا جویائے حقیقت کی حیثیت سے چاہتا تھا۔ کہ میرا ایمان بالغیب یقین۔ عین الیقین اور حق الیقین کے درجہ کو حاصل کرلے۔ یہ چیز مجھے کسی انسان سے نہیں مل سکتی تھی۔ کیونکہ اس کا دینا اس روح الارواح اور نور الانوار یا روح اعظم کے اختیار میں تھا۔ اور ہے۔ اور رہیگا جسکو میں باربار اس داستان میں فارقلیط کے لقب سے پکارتا چلا آرہا ہوں۔

(۲)

جب میں انڈیا کے دُور دراز کے صوبوں اور شہروں میں اپنے مشن کا جیساکہ میں لکھ چکا ہوں۔ پیغام دیکر اور تقریبا سب جگہ کفر و تکفیر کا تماشا دیکھکر اور مکفرین کی حیرانی اور پریشانی کا باعث بن کر اپنے گھر لدھیانہ میں واپس آیا۔ تو میں تھکا ماندہ تھا۔ میری بیوی گیان دیوی محمود النساء نے اور میری اکلوتی بچی وکٹوریہ منصورہ نے میرا خیر مقدم کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔ فریقین نے ایک دوسرے کی خیروعافیت دریافت کی۔ میں ذرا آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ گیان جیساکہ اس کا قاعدہ تھا۔ فوراً باورچی خانے میں چاء تیار کرنے کے لئے چلی گئی۔

جب وہ چائے لے کر آ گئی۔ تو اس نے میز پر چائے رکھ کر
مجھ سے سفر کے حالات پوچھنے شروع کئے۔ میں چائے
سِپ کرتا اور گیان کو سفر کے حالات سناتا جا رہا
تھا۔ وہ اِن حالات کو سُنکر محظوظ ہو رہی تھی۔ مگر
جب اُس نے مکفرین کے حالات سُنے۔ تو وہ کسی
قدر فکرمند ہو گئی۔ اور اظہار افسوس کر کے کہنے
لگی۔ کہ اب آپ کو بالکل آرام کرنا چاہیئے۔ اور باہر زیادہ
نہیں جانا چاہیئے۔ میں نے بیوی سے کہا۔ ملک و ملت
کی خدمت مقدم ہے۔ اور آرام موخر ہے۔ اِس اثنا میں
چونکہ کئی ایک قتل ہو چکے تھے۔ اور ہندو مسلم مناقشات
کی وجہ سے انڈیا کی فضا مسموم ہو چکی تھی۔ اِس لئے
گیان کو میری جان بھی خطرہ میں محسوس ہوتی تھی۔ مگر
میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا تھا۔ بلکہ بے دھڑک اپنا
فرض بجا لا رہا تھا۔

(۳۲)

جیسا کہ میں پیچھے اپنے تبلیغی دوروں کے ضمن میں لکھ
چکا ہوں۔ میرا قاعدہ تھا۔ کہ تقریر کے بعد میں سامعین
کو موقع دیتا تھا۔ کہ وہ جو بھی سوال کرنا چاہیں۔ کر
سکتے ہیں۔ چنانچہ مجھ سے سوال کئے جاتے تھے۔ میں
اُن کے جواب دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ کہ بعض
حق و حقانیت کے متلاشیوں کے دل میں جو شکوک
ہوتے تھے۔ اُن کا ازالہ ہو کر انکو اطمینانِ قلب مل جاتا تھا

مگر سائلین میں بعض ایسے بھی ہوتے تھے۔ جو میرا امتحان لینے کے لئے یا محض دل لگی کے طور پر سوال کرتے تھے۔ میں ہر ایک سوال کا جواب دیتا تھا۔ میں سائل سے یہ نہیں پوچھتا تھا۔ کہ اس کا نام یا اس کا اپنا دین دھرم کیا ہے۔ کیونکہ میرا مقصد کسی سائل کو الزامی جواب دینا نہیں ہوتا تھا الا اس صورت میں جبکہ میں دیکھتا تھا۔ کہ سائل اڑیل ہے۔ اور مناظرہ کا ڈھنگ اختیار کر رہا ہے۔ مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ ایک دفعہ میری تقریر کے بعد ایک سائل نے سوال کیا۔ کہ اگر خدا قادر مطلق ہے اور وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ تو کیا وہ مر بھی سکتا ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں وہ مر بھی سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے کوئی بڑی طاقت ہو۔ جو اس کو مار سکتی ہو۔ مگر چونکہ اس سے بڑی طاقت کوئی نہیں۔ اس لئے وہ لا موت ہے۔ اس نے پھر سوال کیا۔ کیا وہ اپنے جیسا دوسرا خدا پیدا کر سکتا ہے میں نے کہا۔ ہاں وہ دوسرا خدا پیدا کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ پیدا کردہ مخلوق ہوگا۔ اس لئے وہ موت کی زد میں رہیگا۔ اس نے پھر پوچھا۔ کیا اس نے کبھی ایسا خدا پیدا بھی کیا؟ میں نے کہا۔ ایک دفعہ نہیں۔ کئی دفعہ۔ مگر یہ مخلوق خدا ان لوگوں کے معبود ہیں۔ جو خدا لا موت تک پہنچنے سے قاصر تھے۔ اور یہ تمام مخلوق خدا اوتار یا ظل اللہ کی شکل میں پوجے جا کر مر گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ کیا خدا چوری کر سکتا

تھے؟ میں نے کہا - ہاں وہ چوری کر سکتا ہے - بشرطیکہ جس چیز کی وہ چوری کرنا چاہتا ہو - وہ اس کے پاس نہ ہو - سائل سنجیدہ تھا - اور سوال بھی سنجیدگی سے کر رہا تھا - میں نے قیاس کیا - کہ وہ مثلاً شیعہ حنفی ہے - اور غالباً غیر مسلم ہے - چنانچہ میرا قیاس صحیح نکلا - سوال و جواب کے بعد اسکو اطمینان قلب مل گیا - اور وہ اسلام لے آیا - اِس قسم کے بہت سے واقعات میری زندگی میں گذرے ہیں -

(۴)

میں سینکڑوں اور ہزاروں کو اطمینان قلب دینے کا باعث بنتا تھا - مگر جب میرا اپنا قلب غیر مطمئن ہوتا تھا تو مجھے اطمینان و تسلی دینے والا فارقلیط کے سوا دوسرا کوئی نہیں ملتا تھا - چنانچہ میں اس کے پاس جاتا اور تسلّی پاتا تھا - میں کس طرح اور کس شکل میں اُس کے پاس جاتا - اور وہ کس طرح میرے سامنے بے نقاب ہوتا تھا - میں اِسکا ذکر اسی داستانِ غم کے دوسرے حصے کے صفحہ ۶-۷-۸ پر اور تیسرے حصے کے صفحہ ۲۴ - ۹۳ - ۱۳۲ - ۱۴۷ - ۱۵۸ - ۱۵۹ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۲۰۳ - ۲۰۴ - ۲۰۵ پر - اور حصہ چہارم کے صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ پر - اور حصہ پنجم کے صفحہ ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ۱۲۸ پر کر آیا ہوں - مجھے علم نہیں تھا - کہ میں جو اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہوا دوسروں کو بھی

اطمینانِ قلب دیتا پھرتا تھا۔ میں خود اتنا غیر مطمئن ہو جاؤنگا۔ کہ زمین اور آسمان میں سوائے خدا کے مجھے کوئی دوسرا اطمینان قلب اور تسلی دینے والا نہیں ملیگا۔ اور کہ جب میں اس کے پاس جاؤنگا۔ تو وہ مجھے وہ کچھ دکھائیگا جسکے دکھانے کا اس نے مجھ سے حتمی وعدہ کیا تھا۔ مگر میں اس کے اس وعدہ کو بھول چکا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے جب وہ کچھ دکھایا۔ جس کو میں بھول چکا تھا۔ تو میرے دل میں سوال پیدا ہوا۔ آیا یہ جو کچھ میں نے دیکھا۔ وہ عالم بیداری میں دیکھا۔ یا عالم خواب میں؟ آیا یہ حقیقت ہے۔ یا میری قوت واہمہ کا عکس؟ یہ کشمکش تھی۔ جو میرے دل میں اُس وقت شروع ہوئی۔ جبکہ میں ایک دن لدھیانہ کے ڈاک خانہ اقبال گنج میں جو میرے مکان سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ ایک ضروری چٹھی رجسٹرڈ کروا کر واپس آرہا تھا۔ اور میری نگاہ بلا ارادہ اس چھوٹے سے تنگ کوچے کی طرف اٹھ گئی۔ جو ڈاک خانہ کے بالکل نزدیک تھا۔ یہ بند کوچہ تھا۔ اور اس کے عقب میں شہزادہ والا گوہر جی کا وہ مکان تھا۔ جس میں چھ سات سال رہ چکا تھا۔ اور جس کے متعلق جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔ یہ مشہور تھا۔ کہ وہ جنوں بھوتوں کا مسکن تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس کوچے کے آخری سرے پر دیوی

دیوکماری سروج

کھڑی ہے۔ اور اس کا حلیہ اور اس کی پوشاک بعینہٖ وہی تھے

جو کہ اُس نہایت خوبصورت۔ تندرستی اور صحت کی مجسمہ
پنجابی لڑکی کی تھی۔ جس کو میں نے میو ہسپتال میں ڈاکٹر
سِکری کے مکان کے صحن میں سفید ڈوپٹہ اوڑھے اور سفید
پنجابی شلوار پہنے دیکھا تھا۔ جس کا ذکر میں اسی داستان
غم کے تیسرے حصے کے صفحہ ۱۰۵ پر کر آیا ہوں۔ اتنے
طول طویل عرصہ کے بعد جبکہ میں لاہور کے سرگھٹ میں
دیوکماری سروج کی لاش کو اپنے ہاتھوں بھسم کر کے
اس کی خاکستر تک کو دریاے راوی میں بہا چکا تھا۔ یہ
کیونکر ممکن تھا۔ کہ وہ زندہ ہو کر لاہور میں نمودار ہونے
کی بجائے لدھیانہ میں آکر ظاہر ہوئی ہو۔ یا اس نے اس طرح
یہ نیا جنم اور نیا قالب حاصل کر کے وہ اپنے اس وعدہ
کو پورا کرنے کے لئے آئی ہو۔ کہ میں پھر آؤنگی اور اسی
زندگی میں آپ سے ملونگی۔ اور کہ میرے اور آپ کے
درمیان جو جنم کی بنا پر آگ کا دریا حائل ہے۔ وہ نہیں
رہیگا۔ ایک بجلی کی سی تیزی کے ساتھ واقعات
گذشتہ کا یہ چکر چل پڑا۔ مگر جب میں نے اسی لمحہ دوسری
دفعہ نظر اٹھائی۔ کہ میں اپنے شک کو دور کر دوں۔ میں
نے دیکھا۔ کہ اس کوچہ میں نہ سروج تھی۔ نہ کوئی لڑکی۔
بلکہ کوچہ اپنے آخری سرے تک خالی تھا۔ میں حیران تھا۔
کہ دیوکماری سروج کی یہ روح یا اس کا مجسمہ زمین میں
یا آسمان پر یا ہوا میں کہاں غائب ہو گیا؟ آیا وہ اعادہ

ہیں میرے لئے ایک لاینحل معمّا پیدا ہوگیا۔ میں بھوت۔ پریت کا قائل نہیں تھا۔ میں اواگون یا تناسخ کا بھی منکر تھا۔ میرے لئے یہ ماننا مشکل تھا۔ کہ میں نے مسروج کے بھوت کو دیکھا۔ میں اس کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کہ مسروج جیسی پاکباز روح کسی گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے نئے قالب میں ڈالی گئی ہو۔

(۵)

جس طرح شدت کی گرمی کے موسم میں ساکن سمندر میں کوہ پیکر امواج پیدا ہوکر اس کے کناروں سے ٹکرانے لگ جاتی ہیں۔ اسی طرح اس تنگ اور بند کوچہ میں میں نے جو کچھ دیکھا تھا۔ اس نے میرے خیالات میں جو آجکل بالکل پرسکون تھے۔ تموج پیدا کردیا۔ ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں میں اپنے مکان پر پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر اپنے دفتر میں بیٹھ کر میں مکان کے باغیچہ میں میز کرسی لگاکر اساس الاسلام کے اس مسودہ کو جو میں نے روح کے متعلق لکھا تھا۔ اور جو بعد میں پوری وضاحت کے ساتھ "الف ار عالم" کی شکل میں بھی چھپ گیا۔ درست کرنا شروع کیا۔ اور انتہائی کوشش کی۔ کہ میرے دل و دماغ میں جو نئی کشمکش پیدا ہوگئی ہے۔ میں اس کو دبا دوں۔ چنانچہ میرا یہ خیال آہستہ آہستہ مدھم ہوکر بالکل مٹ گیا۔ اور میں نے اس بند کوچہ کی طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ کہ مجھے ایک کشمکش میں مبتلا کرکے میرا ساتھ چھوڑ دے۔ یا میری

و رہنمائی نہ کرے۔

(۶)

کئی ہفتہ کے بعد جبکہ میں ایک دن اقبال گنج کے ڈاک خانہ سے آہستہ آہستہ گھر کو واپس آرہا تھا۔ میری نظر بلا ارادہ اسی تنگ اور بند کوچہ کی طرف اٹھ گئی۔ وہی نظارہ دوبارہ میری نظر سے گذرا۔ جس کو میں اپنے وہم کی تخلیق سمجھتا تھا۔ آنکھ جھپکنے کے ساتھ ہی سروج یا سروج کی روح بدستور سابق غائب ہوگئی۔ میں نے اپنے آپ کو مصیبت زدہ اور بد قسمت محسوس کیا۔ دفتر میں واپس آکر میں نے اپنی ایک بہت پرانی یاد داشت نکالی۔ جس میں دیوکماری سروج کے انتقال کی تاریخ درج تھی۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس تاریخ اور سال کے مطابق سروج کو انتقال کئے سولہ سال کے قریب ہو چکے تھے۔ میں نے سروج کے عالم ارواح سے اس پیغام کو بھی نکالا۔ جو اس نے میرے نام دیا تھا۔ عالم ارواح سے سروج کا یہ پیغام اسی داستان کے تیسرے حصے میں صفحہ ۱۷۱ سے لیکر صفحہ ۱۷۶ تک میں بصورت سوال و جواب درج ہے۔ میں نے ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے نتیجہ نکالا۔ کہ سروج جو ایک پاک اور وعدہ وفا روح تھی۔ یہ بالکل ممکن ہے۔ کہ قادر مطلق خدا نے اس کو موقع دیا ہو۔ کہ وہ قادر مطلق کے ایک پاک باز اور ایمان دار بندے کے ساتھ کئے گئے وعدہ کو پورا کرے۔ تاکہ یہ اسکی قدرت کاملہ کی ایک شہادت ہو

میں اسی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کہ میں نے محسوس کیا۔ اس
غیبی طاقت نے جس پر میرا ایمان کبھی متزلزل نہیں ہوا تھا۔
اور جس نے ہر ایسے آڑے وقت پر میری رہبری کی تھی۔ مجھے
ایک جھٹکا دیا۔ جس سے میرے بدن کا ہر ایک رونگٹا کھڑا
ہو گیا۔ اور میں سر سے پاؤں تک لرز گیا۔ میں نے محسوس
کیا۔ کہ میرے سامنے ایک لوح نمودار ہوئی۔ جس پر نہایت
جلی اور ازحد روشن الفاظ میں لکھا ہوا تھا:-

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ -

میں سنبھل گیا۔ میری مشکل حل ہو گئی۔ آخر میں نے ہی تو یہ
چاہا تھا۔ کہ قادر مطلق خدا مجھے دکھائے۔ کہ وہ مُردوں
کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس مردہ کو جس کو
میں نے چاہا تھا۔ کہ وہ زندہ کر دے۔ تاکہ میرا ایمان
جو اب تک رسمی طور پر بالغیب تھا۔ یقین۔ حق الیقین
اور عین الیقین کا درجہ حاصل کر لے۔ میرے لئے زندہ
کر دیا۔ آخر یہ وہی مردہ تھا۔ جو میرے سامنے مارا گیا۔
اور جس کی خاکستر تک کو میں نے اپنے ہاتھوں دریا برد کی میں
بہا دیا تھا۔ اب مجھے اس کے قادر مطلق ہونے پر ہرگز شک نہیں
یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا جدالانبیا حضرت ابراہیم خلیل
اللہ کے ساتھ یہی نہیں ہوا تھا۔ جبکہ قادر مطلق خدا نے "ان
چار جانوروں کو جن کو خلیل اللہ نے مار کر خدا سے چاہا تھا۔ کہ
وہ انکو زندہ کر دے۔ زندہ نہیں کر دیا تھا؟ اور کیا اسی طرح

اُس نے اپنے کئی دیگر برگزیدہ بندوں کے اِس شک کا ازالہ نہیں کیا تھا۔ مگر سوال تو یہ ہے۔ کہ آیا میں نے جو کچھ دیکھا۔ یا مجھے دکھایا گیا۔ وہ امرِ واقعہ ہے۔ یا میری اپنی قوتِ واہمہ ہے؟ اگر دیپ کماری سروج دوبارہ زندہ کر دی گئی ہو۔ تو جیسا کہ اس نے وعدہ کیا تھا۔ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے کی بجائے میرے سامنے سے غائب کیوں ہو جاتی ہے۔ اور کیا اس کی یہ پیدائش اواگون یا تناسخ کے اصول سے وقت ہوئی؟ اگر ایسا ہوا ہو۔ تو میں اواگون جیسے مسئلہ کو جو ہماری بے شمار مجلسی۔ اقتصادی اور معاشرتی اُلجھنوں کا گورکھ دھندا ہو۔ کیونکر درست تسلیم کر سکتا ہوں؟ اور ابھی تو مجھے یہ بھی علم نہیں۔ کہ وہ جسکو میں نے سروج سمجھا ہے۔ وہ کسی ہندو یا برہمن خاندان میں پیدا ہو کر لدھیانہ آ گئی ہے۔ یا وہ کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوئی ہے؟ کیا پتہ ہے۔ وہ کس کی بیٹی کس کی بہن ہے۔ کس کی منگیتر یا کس کی بیوی ہے؟ او میاں غازی محمود! تم کس مصیبت میں پھنس گئے۔ چھوڑو اس وہم کو۔ مشیتِ ایزدی اٹل ہے۔ تمہاری مصیبت بھی اٹل ہے۔

(۷)

میں سنجیدہ اور خاموش ہو گیا۔ میری اِس سنجیدگی اور خاموش رہنے کو میری بیوی گیان دیوی محمود النسا نے جس کو میں پیار سے بانو دیوی کہتا تھا۔ محسوس کیا۔ ایک دن جبکہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا اسی مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔ بانو دیوی اچانک

دفتر میں آ گئی۔ مجھے خاموش اور سنجیدہ دیکھ کر پوچھنے لگی۔ آجکل آپ چپ کیوں رہتے ہیں۔ پہلے تو میں نے چاہا۔ اس پر اپنی خاموشی کی وجہ ظاہر کر دوں۔ مگر پھر یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے۔ وہ سروج کی روح کو بھوت سمجھ کر ڈرنے لگ جائے یا میری وہم پرستی پر ہنس دے۔ میں نے اس سے کہا۔ گیان! آجکل میرے زیرِ غور مسئلہ ہی ایسا ہے۔ جو نہایت مشکل ہے اور از حد سنجیدگی اور غور کا طلبگار ہے۔ گیان نے پوچھا ایسا کونسا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا۔ اس مسئلہ کا تعلق روح کے جسم سے علیحدہ ہونے اور دوبارہ اس دنیا میں پیدا ہونے سے ہے۔ گیان مسکرا دی۔ اور کہنے لگی۔ کہ آپ کو اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟ میں نے کہا۔ ضرورت اس لئے پڑ گئی۔ کہ اگر آپ کا پہلا خاوند دوبارہ پیدا ہو کر لدھیانہ میں آ جائے۔ اور تم اس کو پہچان لو۔ کہ وہ تمہارا خاوند تھا۔ تو اس صورت میں تم میرے پاس رہنا پسند کرو گی۔ یا اپنے اس پہلے خاوند کے پاس چلی جاؤ گی؟ اگر دوسری صورت ہو۔ تو میرا کیا حشر ہو گا؟ میرے اس جواب کو سنکر گیان خوب ہنسی۔ اور کہنے لگی۔ کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ مرے ہوئے دوبارہ اس دنیا میں آ جائیں؟ میں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ جب خدا قادرِ مطلق یا سروشکتیمان ہے۔ تو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ بالکل نا سمجھی ہے۔ بانو دیوی نے اس پر بڑا پر لطف جواب دیا۔ کہ یہ تو صحیح ہے۔ پرماتما سروشکتیمان ہے۔

وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ جب وہ زندوں کو مارتا ہے۔ تو وہ مُردوں
کو زندہ بھی کر سکتا ہے۔ مگر میرا پہلا خاوند اگر دوبارہ پیدا ہو کر دنیا
میں آ جائے۔ تو وہ تو میری بچی سے بھی چھوٹا ہوگا۔ میں اس کے پاس
جا کر کیا کروں گی۔ میں بانو دیوی کے جواب کو سنکر ہنس پڑا۔ اور کہا گیان
تم سچ مچ گیان دیوی ہو۔ مگر تم مجھے اس بات کا جواب دو۔ کہ اگر
میری بیوی مجھ سے بہت عرصہ پہلے مر گئی ہوتی۔ اور اگر اب وہ زندہ
ہو کر آ جائے۔ اور میں اسکو پہچان لوں۔ کہ وہ میری بیوی تھی۔ تو
اگرچہ وہ مجھ سے عمر میں بہت چھوٹی ہو۔ مگر میں اسکو اپنی بیوی بنا کر
تمہاری گود میں دیدوں۔ تو تم کیا کرو گی؟ گیان نے کہا۔ تمہاری بیوی
کہاں سے جائیگی۔ جبکہ مجھ سے پہلے تمہاری شادی ہی نہیں ہوئی تھی؟
میں نے کہا۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ تم سے پہلے میری کوئی شادی نہیں ہوئی تھی۔
مگر میری کئی ایک منگیتریں ایسی تھیں۔ جو مجھ سے شادی کرنے کی
آرزومند تھیں۔ مگر وہ شادی سے پہلے ہی مر گئیں۔ اب اگر ان منگیتروں
میں سے کوئی قبر سے نکل کر آ جائے۔ یا میں خود ہی کسی منگیتر کو قبر
سے نکال لاؤں۔ تو بتاؤ۔ تم کیا کرو گی؟ گیان اسپر ہنس پڑی
اور کہنے لگی۔ اگر کسی نے آپ کو کفن چور سمجھ کر پکڑ لیا۔ تو پھر
کیا ہوگا؟ اسپر ہم دونوں میاں بیوی نے فرمائشی قہقہہ لگایا۔ گیان
تو اتنا ہنسی۔ کہ اسکا چہرہ ہنستے ہنستے سرخ ہو گیا۔ اس کے گورے رخسار
پر سرخی کا دوڑ جانا۔ اور اس سرخ و سفید چہرہ پر اس کے خال
سیاہ کا ابھرنا اور اسکے چاہ زنخدان اور حسن عجب کا
شوخی دکھانا۔ اسکی خوبصورتی کے گواہ تھے۔

باب یازدہم

دوسری فصل

سمن

(۱)

ہم دونوں میاں بیوی اسی طرح ہنس رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک پیادہ میرے نام سمن لایا۔ جو احمد آباد گجرات سے تھا۔ جہاں ایک مسلمان اخبار کے ایڈیٹر پر زیر دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ہند مقدمہ دائر تھا۔ مجھے اس مقدمہ میں بطور گواہ طلب کیا گیا تھا۔ میں نے پیادہ سے کہا۔ سمن واپس کردو۔ چنانچہ سمن واپس کردیا گیا۔ میں نے احمد آباد کے مولٰنا راحتی نظامی صاحب کو لکھا۔ کہ مجھے اس مقدمہ میں بطور گواہ بلانا فضول ہے۔ میرے نام سمن نہ بھجوانا۔ مگر میرے مشورہ پر عمل کرنے کی بجائے بدیں ہدایت میرے نام سمن جاری کیا گیا۔ کہ سمن میرے مکان کے دروازہ پر چسپاں کیا جائے۔ چنانچہ جب سمن چسپاں کیا گیا۔ تو میں جانے کے لئے مجبور ہوگیا۔ میں احمد آباد پونہچا۔ اور ملزم سے کہا۔

مجھے شہادت میں پیش کریں گے۔ تو آپ کی بریت کے تمام امکانات ختم ہو جائیں گے۔ ملزم نے کہا۔ وجہ؟ میں نے وجہ بتائی۔ اُس نے کہا۔ اچھا ہم کونسل سے مشورہ کرلیں۔ کونسل کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ اس نے میرے ساتھ اتفاق کیا۔ دوسرے دن جب مقدمہ پیش ہوا۔ تو ملزم کے کونسل نے عدالت سے کہا۔ کہ وہ مجھے بطور گواہ پیش کرنا نہیں چاہتے۔ عدالت نے اِس کو منظور کرلیا۔ چونکہ مقدمہ سرکار بنام ملزم تھا۔ اِس لیٔے میرے آمد و رفت کے اخراجات عدالت نے ادا کیٔے۔ میں نے احمد آباد میں ہندو مسلم اتحاد پر دو تقریریں کیں۔ اِن تقریروں کا ذکر وہاں کے گجراتی اخبارات میں ہوا بڑوچ سے میرے نام تار اس کے بعد قاصد آیا۔ کہ بڑوچ میں میری تقریروں کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ میں بڑوچ پہنچا۔ بڑوچ کا شہر دریاء نربدا کے کنارے واقع ہے۔ شب کو تقریر کرکے میں ایک دو منزلہ مکان میں سو رہا تھا۔ کہ ایک دم کچھ شور اٹھا۔ میری آنکھ کھلی۔ سنتا ہوں دریا کے کنارے جو کشتیاں تھیں وہ آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں۔ مجھ کو دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ چونکہ دریاء نربدا کا دہانہ سمندر سے ملا ہوا ہے۔ اس لیٔے جب سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے۔ تو سمندر کا پانی بڑوچ تک دریا میں چڑھ

آتا ہے۔ چنانچہ جب پانی دریا میں چڑھتا اترتا ہے۔ تو
کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ دوسری شب
کو میں جوار بھاٹا کا لطف اٹھانے کے لئے کشتی میں جا
لیٹا جب جوار بھاٹا آیا۔ تو کشتی طوفان نوح کی کشتی کی
طرح پانی پر ادھر کو اٹھی۔ اور میں نے عملی طور پر دیکھا
کہ سمندر کے جوار بھاٹا کا مطلب کیا ہے۔ بڑوچ میں
میری تقریروں کا سلسلہ جاری تھا۔ کہ انکلیشر سے
میرے پاس قاصد آیا۔ کہ انکلیشر میں میری ضرورت ہے
میں انکلیشر پہنچا۔ جہاں تین دن ہندو مسلم اتحاد پر
میری تقریریں ہوئیں۔ انکلیشر میں ایک اسلامیہ سکول
تھا۔ جس کا میں نے معائنہ کیا۔ میں انکلیشر سے واپس
لدھیانہ آنے کے لئے تیار تھا۔ کہ بمبئی سے خط اور قاصد
آیا۔ کہ میری بمبئی میں سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ میں بمبئی گیا
اور وہاں ایک مسلم روزانہ اخبار کے دفتر میں ٹھہرایا گیا
اس اخبار کا ایڈیٹر بڑا از حد دل بہادر مسلمان تھا
اور تحریک حریت ہند کا سرگرم کارکن تھا۔ میری تقریر
کا اعلان ہو چکا تھا۔ جب شب کو میں جلسہ گاہ میں پہنچا
تو میں نے دیکھا۔ کہ داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہے۔ میں نے اس پر
اعتراض کیا۔ کہ میری تقریر مفاد عامہ کے لئے ہے۔ اس پر کوئی
ٹکٹ نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ ٹکٹ داخلہ اٹھا دیا گیا۔ اور
سب کے لئے جلسہ گاہ کا دروازہ کھل گیا۔ ہجوم بے پناہ ہو گیا

میں نے مادرِ ہند کی آزادی کے لئے ہندو مسلم اتحاد کو بنا
قرار دیکر دو گھنٹہ تقریر کی۔ اور مذہبی پہلو سے بھی میں قرآن
پاک اور وید مقدس سے اس نظریہ کی تائید میں جتنے حوالہ
جات دے سکتا تھا۔ دیتا گیا۔ میری تقریر کا اثر دونوں
فریقوں پر اتنا خاطر خواہ ہوا۔ کہ جب میں دوسرے روز
جلسہ گاہ میں گیا۔ تو مجمع پہلی شب سے بھی دوگنا تھا۔ میری
تقریر جاری تھی۔ کہ صدر جلسہ نے میرے کان میں آہستہ
سے کہا۔ کہ بمبئی کے ایک دو سکے محلہ سے خبر آئی ہے۔ کہ
وہاں فساد شروع ہو گیا ہے۔ اور کہ بمبئی کے فسادوں کی یہ
کیفیت ہوتی ہے۔ کہ وہ آناً فاناً سارے شہر میں پھیل
جایا کرتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ آپ تقریر مختصر کر
دیں۔ تاکہ جلسہ جلدی منتشر کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے
تقریر جلدی ختم کر دی اور جلسہ منتشر ہو گیا۔ میں قیام
گاہ پر واپس آ گیا۔ ارادہ تھا۔ کہ دوسرے روز بذریعہ
فرنٹیئر میل بمبئی سے چل پڑوں۔ مگر درد گردہ کا حملہ ہو گیا۔
اور میں دو دن تک سفر کرنے کے ناقابل رہا۔ ڈاکٹر صاحب
نے درد گردہ کی دوا دی۔ اور میں دو دن کے بعد بمبئی سے
چل پڑا۔ مگر چونکہ پتھری ابھی تک خارج نہیں ہوئی تھی۔
اس لئے راستہ بھر شدت کا درد ہوتا رہا۔ بمشکل تمام
لدھیانہ پہنچا۔ بیوی میری حالت کو دیکھ کر بہت گھبرائی۔
ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ باقاعدہ علاج سے پتھری نکل گئی۔

باب یازدہم

تیسری فصل

دستک

(۱)

درد گردہ کے حملہ کی وجہ سے میں اتنا کمزور ہو گیا کہ عرصہ تک کسی لمبے سفر پر جانے کا حوصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ بجائے تقریروں کے میں نے تحریر پر زور دیدیا۔ اور ریشنلزم اور اسلام پر کئی ٹریکٹ لکھ ڈالے۔ ایک دن جبکہ میں اپنے باغیچہ میں میز کرسی لگائے لکھ رہا تھا۔ گیان میرے پاس آ گئی۔ وہ خالی کرسی پر بیٹھ کر گھریلو معاملات پر کچھ مشورہ کر رہی تھی۔ کہ اتنے میں باہر کے دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ گیان اس کو سنکر کچھ سہم سی گئی۔ اور کہنے لگی۔ دیکھنا۔ کوئی سمن یا وارنٹ تو نہیں آیا۔ میں نے کہا۔ اگر کوئی سمن یا وارنٹ والا بھی ہوگا۔ تو یہ میرے لئے معمولی بات ہے۔ میں دیکھ لونگا۔ چونکہ یہ زمانہ نہایت پر آشوب تھا۔ اور آئے دن میرے پاس سمن یا وارنٹ آتے رہتے تھے۔ اس لئے میرے نزدیک یہ معمولی کھیل تماشا تھا۔ فتنہ ارتداد

زوروں پر تھا۔ اِس کے انسداد کا زیادہ تر زور میرے
کندھوں پر تھا۔ مسافروں اور مباحثوں کے لئے میں انڈیا
بھر میں زمین کا گز بنا رہتا تھا۔ دروازہ پر دستک کو سن
کر میں کرسی سے اُٹھا۔ تا کہ دیکھوں دستک دینے والا کون
ہے۔ کیاں ان میرے پاس سے اُٹھ کر اوپر کی منزل پر چلی
گئی۔ کیونکہ اس کی رہائش اوپر کی منزل پر تھی۔ نیچے کے تمام
کمرے اور ہال کمرہ میرے دفتر کے کام آتے تھے۔ میں
اپنے نو وارد ملاقاتیوں کو دفتر کی بجائے باغیچہ میں لے گیا
جہاں میز کے ارد گرد کئی کرسیاں لگی رہتی تھیں۔ اوپر
کی منزل سے جسکی ملاقاتیوں پر چقیں پڑی رہتی تھیں کیاں
کو موقع حاصل تھا۔ کہ وہ میرے پاس آنے جانے والوں
کو سنسر کر سکے۔ میرے نو وارد ملاقاتیوں میں ایک
شخص کا نام چوہدری رحمت خان تھا۔ یہ میرے والد مرحوم
کے ملنے والوں میں سے تھے۔ اِن کا گھر وڈالی گاؤں
ہمارے گاؤں کے بالکل نزدیک تھا۔ وہ اپنے گاؤں
سے مکڑی سے کوئلوں کے گڈے لدھیانہ فروخت کے
لئے لاتے تھے۔ چوہدری صاحب کے ساتھ دوسرا ملاقاتی
میرے ہی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اِن کا نام میاں
اللہ دتا تھا۔ یہ میاں فضل الہی کے صاحبزادے تھے۔ اور
میاں فضل الہی میرے والد کے بڑے دوست تھے۔ یہ
دونوں ملاقاتی باغیچہ میں آکر کرسیوں پر تشریف فرما ہوگئے

میں نے گیان سے کہا۔ نئے مہمانوں کے لئے چاء بنا کر بھیج
دیجئے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں میرا بھتیجا گرم گرم چاء لیکر
آگیا۔ ہم تینوں چاء پیتے اور گپ شپ لڑا رہے تھے
کہ چوہدری صاحب نے میرے سہ منزلہ مکان اور ارد گرد
کی عمارت کو دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "بابو جی!
آپ نے اتنی بڑی جائداد پیدا کی۔ اور اتنی شان دار
کوٹھی بنائی۔ اب اس کا کوئی وارث بھی تو پیدا کرنا
چاہیئے"۔ میں چوہدری صاحب کی بات کو سنکر ہنس پڑا
اور کہا۔ کیا آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں۔ کہ میرا وارث موجود
ہے۔ چوہدری صاحب نے کہا۔ وہ کون ہے؟ میں نے کہا۔ وہ
اللہ میاں ہیں۔ جنکو قرآن پاک میں خیر الوارثین کہا گیا
ہے۔ چوہدری صاحب نے کہا۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر دنیا کی
نظر میں اولاد نرینہ کا ہونا بہت ضروری سمجھا گیا ہے۔ خدا
نے اب تک آپ کو کوئی بیٹا نہیں دیا۔ پیغمبروں نے بھی تو
بیٹے کے لئے دعا مانگی ہے۔ میں نے کہا۔ دعا تو میں نے بھی
کئی دفعہ خدا سے مانگی ہے۔ کہ مجھے بیٹا دے۔ مگر اس نے
مجھے یہی جواب دیا۔ کہ تو نے دنیا میں آکر بھڑتھو مچا دیا۔
تجھے بیٹا دونگا۔ تو وہ کیا کچھ نہیں کریگا۔ اس لئے بہتر
یہی ہے۔ کہ بغیر بیٹے کے دن کاٹ۔ میرے اس مزاحیہ
جواب کو سنکر چوہدری صاحب اور میاں صاحب دونوں
خوب ہنسے۔ چوہدری صاحب نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ نہیں

بابوجی! آپ کو دوسری شادی ضرور کرنی چاہیئے۔ میں نے مذاقاً
کہا۔ کہ خدا نے مجھے برہمن بیوی تو دیدی ہے۔ کھشتری بیوی
کی انتظاری ہے۔ اس نے وعدہ بھی کیا تھا۔ کہ وہ میرے ساتھ
سوئمبر کے طریقہ سے شادی کریگی۔ مگر خدا معلوم وہ کہاں غائب
ہوگئی۔ کہ اب تک نہیں آئی۔ چوہدری صاحب مسکرائے اور کہنے لگے
اگر وہ نہ آسکے۔ تو پھر؟ میں نے کہا۔ تو پھر مسلمانوں میں کھشتری
کا قائم مقام راجپوت ہی ہوسکتا ہے۔ یہ ڈیوٹی آپ کو لینی پڑیگی
چوہدری صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ہمیں تو اس پر کوئی اعتراض
نہیں۔ آپ ہمیں یہ ڈیوٹی دیںگے۔ تو ہم آپ کے لئے راجپوت
لڑکی تلاش کردینگے۔ میں نے ابھی چوہدری صاحب کا شکریہ
بھی ادا نہیں کیا تھا۔ کہ میاں اللہ دتہ صاحب بول اٹھے۔ "تو
کیا ہم برادری والے کہیں مرگئے ہیں۔ یہ بندوبست ہم کرینگے
میں نے دیکھا۔ کہ ہماری گفتگو کچھ سنجیدہ صورت اختیار
کررہی ہے۔ ایسا نہ ہو۔ ہماری یہ گفتگو چقوں کے پیچھے
بیٹھی بھاگاں سن لے۔ اور ہمارا یہ مذاق میرے لئے مہنگا پڑے
میں نے گفتگو کا رخ بدل کر کوئلوں کے نرخ کی طرف پھیر دیا۔
اس پر میاں صاحب خوب ہنسے۔ کہ کہاں شادی کا معاملہ
اور کہاں کوئلوں کے نرخ! غرضیکہ اسی طرح گھنٹہ بھر
ہنسی مذاق کرکے دونوں صاحبان تشریف لے گئے۔ جب
وہ چلے گئے۔ تو بھاگاں باغیچہ میں آئی۔ اور پوچھنے لگی۔ کہ یہ
دونوں بھائی کہاں سے آئے تھے۔ میں نے کہا۔ تم کو پتہ ہے۔

کہ تمہارے اور میرے گاؤں کے نزدیک ایک چھوٹا سا گاؤں کھڑوڑ ہے۔ ایک صاحب تو وہاں کے چودھری تھے۔ دوسرے صاحب میرے والد کے دوستوں میں سے تھے۔ اور وہ میرے ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ بیوی نے کہا۔ اتنے زور سے کیوں ہنس رہے تھے۔ آخر بات کیا تھی۔ میں نے کہا۔ جس طرح ان کے آنے سے پہلے ہم دونوں میاں بیوی بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔ اسی طرح ہماری روح کا اثر ان پر بھی پڑ گیا۔ میری بیوی نے اس کے بعد چنداں کریدبازی نہیں کی۔

(۲)

تیسرے چوتھے روز میں نے دیکھا۔ کہ میاں صاحب اکیلے تشریف لائے۔ اور کہنے لگے۔ کہ ان کی گائے دودھ دینے سے بھاگ گئی ہے۔ اور کہ ان کو دوا میں ملانے کیلئے خالص گھی کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے ہاں کچھ خالص گھی ہو۔ تو تھوڑا سا گھی مجھے دے دیجئے۔ میں نے کہا۔ جس قدر آپ کو ضرورت ہو۔ گھی حاضر ہے۔ چنانچہ میں گیان کے پاس گیا۔ اور آدھ سیر کے قریب گھی لاکر میاں صاحب کو دیدیا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر اور گاؤں کے معاملات پر گفتگو کر کے وہ چلے گئے۔ دوسرے دن پھر تشریف لائے۔ مگر اس دفعہ ان کے ساتھ ایک نوجوان تھا۔ کہنے لگے صحن میں اتنا لمبا لمبا گھاس رہنا ٹھیک نہیں۔ موسم خراب ہے۔ اس لئے میں رحمت کو (یہ اس نوجوان کا نام تھا۔ اور وہ ان کا بیٹا تھا) ساتھ لایا ہوں۔ کہ وہ اس گھاس کو صاف کر دے۔ میں نے کہا۔ یہ آپ کی

بڑی مہربانی ہے۔ آپ کے ہاں تو گائے ہے۔ گھاس کو صاف کرکے گائے کیلئے لے جانا۔ رحمت نے گھاس کو صاف کرڈالا۔ اور بجائے اپنی گائے کیلئے لیجانے کے سارا گھاس میری بھینس کے سامنے ڈال دیا۔ جتنی دیر رحمت گھاس کاٹتا رہا۔ میاں صاحب میرے ساتھ گاؤں کے پرانے معاملات کا ذکر کرتے رہے۔ آخر میں کہنے لگے۔ کہ رحمت کی ماں کا خیال ہے۔ وہ آپ کو کھانا کھلائیں آپ تو ہندوستان بھر میں جاتے اور بڑے بڑے رئیسوں۔ نوابوں کی دعوتیں کھاتے ہونگے۔ مگر آپ کو ہمارے جیسے غریبوں کی دعوت بھی کبھی قبول کرلینی چاہیئے۔ میں نے کہا۔ کہ میرے لئے امیری غریبی کوئی چیز نہیں۔ مگر میں مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ کو تکلیف دی جائے۔ میاں صاحب بولے۔ اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ آخر آپ ہمارے عزیز ہیں۔ ہمیں آپس میں میل ملاپ کرنے اور دکھ درد میں شریک ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس لئے میری درخواست ہے۔ کہ کل آپ دس بجے کے قریب میرے مکان پر تشریف لے آئیں۔ اور ماحضر تناول فرمائیں میں نے کہا۔ اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔ مگر چونکہ دعوت سے انکار کرنا بھی سنت نبوی کے خلاف ہے۔ اس لئے میں آجاؤں گا۔ مگر افسوس یہ ہے۔ کہ مجھے آپ کے گھر کا پتہ نہیں۔ میاں صاحب بولے۔ کہ کل رحمت آپ کو اپنے ساتھ لے جائیگا۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ جیسی آپ کی مرضی۔ چنانچہ دوسرے دن کی دعوت دیکر میاں صاحب اور ان کے صاحبزادے دونوں تشریف لیگئے۔

ان کے جانے کے بعد میری بیوی حسب معمول میرے پاس باغیچہ میں آ کر بیٹھ گئی۔ اور پوچھنے لگی۔ کہ آخر کیا بات چیت ہو رہی تھی۔ اور یہ گھاس کس نے صاف کر دیا۔ میں نے کہا۔ گھاس تو میاں صاحب نے آ کر خود ہی صاف کروا دیا ہے۔ کہ موسم اچھا نہیں۔ اتنے لمبے گھاس کا رہائشی مکان میں رہنا ٹھیک نہیں۔ گیان نے کہا۔ میں خود نہیں چاہتی تھی۔ کہ گھاس رہنے دیا جائے۔ مگر آپ کا ہی یہ خیال تھا۔ کہ یہ پک جائے۔ تو اس کو بھینس کیلئے سوکھا کر استعمال کیا جائے۔ اچھا ہوا گھاس صاف ہو گیا۔ میں نے کہا۔ بانو دیوی! ذرا ایک بات سنو! میاں صاحب جو آئے تھے۔ وہ مجھے کل صبح کھانے کی دعوت دے گئے ہیں۔ میں نے تو انکار کر دیا تھا۔ مگر ان کے اصرار کرنے پر میں نے مان تو لیا ہے۔ مگر تم سے پوچھا نہیں۔ کہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ میری بیوی اس پر ہنس پڑی۔ اور کہنے لگی۔ اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو سب سے ملنا جلنا چاہیئے۔ میں نے کئی دفعہ آپ سے کہا ہے۔ کہ ہر وقت گھر میں گھسے رہنا اور دفتر کی میز پر آنکھیں پیس کرتے رہنا صحت پر بڑا اثر ڈالے گا۔ مگر آپ نے میری بات پر توجہ نہ دی۔ میں تو خوش ہوں۔ کہ آپ میاں صاحب کے ہاں کھانے کیلئے ضرور جائیں۔ میں نے کہا۔ بانو دیوی ایک بات اور سنو۔ اگر مجھے دعوت میں "مٹی" کھانے کیلئے کہا۔ تو پھر؟

مٹی کے لفظ پر میری بیوی خوب ہنسی۔ کیونکہ گوشت
کے لئے مٹی کی اصطلاح میری بیوی نے ہی۔ لدھیانہ
کی چند لوچیہ سہیلیوں سے سن کر مجھے تبلائی تھی۔ میری
بیوی نے کہا۔ تو کیا حرج ہے۔ مٹی کھا لینا۔ آخر جب
آپ مہینوں تک انڈیا میں دورہ پر رہتے ہیں۔ تو کیا
وہاں آپ کا کھانا بنانے کے لئے کوئی برہمن رسوئیا ہوتا
ہے۔ وہاں آپ کو مٹی کے ساتھ تو "روڑے" بھی کھانے
پڑتے ہوں گے"۔ یہ کہہ کر بانو دیوی کھوب ہنسی۔ اور
میں نے بھی ہنستے ہوئے پوچھا۔ "بانو! یہ مٹی کے ساتھ
روڑوں کا کیا مطلب؟ میں تو کبھی روڑے نہیں کھاتا"
میری بیوی نے کیا مزیدار جواب دیا۔ "تو پھر یہ سیخ کباب
کس چیز کے ہوتے ہیں" بانو دیوی کا یہ پرلطف جواب
سن کر میں بے اختیار ہنس دیا۔ اور کہا بانو تم نے
سیخ کباب سے بھی مزیدار بات کہہ دی۔ میری بیوی
اس قدر ہنسنے کے بعد یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔ اور
کہنے لگی۔ "میں تو خود چاہتی ہوں۔ کہ آپ کے لئے گوشت
بنا دیا کروں۔ مگر کیا کیا جائے۔ مجھے بنانا نہیں آتا۔
اور اگر بناؤں بھی۔ تو آپ کو پسند نہیں آئیگا۔" میں نے
کہا۔ گیان! یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ کہ آپکے ہاتھ کا بنایا
ہوا گوشت مجھے پسند نہیں آئیگا۔ گوشت نہیں۔ اگر
تم مجھے زہر بھی پلاؤ۔ تو میں خوشی سے پی لوں گا۔

کیوں کہ مجھے ہر حالت میں تمہاری خوشی منظور ہے۔ اس
لیے کہ تم نے میرے لیے۔ میرے خدا۔ اور میرے رسول کے
لیے۔ بڑی بھاری قربانی کی ہے۔ میرے اور تمہارے
درمیان اب کھانے پینے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ میں
نہیں چاہتا۔ کہ تم میرے لیے گوشت بناؤ۔ تم برہمن زاد
ہو۔ اور برہمن زادیاں نہ تو گوشت بناتی ہیں۔ نہ کھاتی
ہیں۔ میں تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہوں۔ چائے
تو میں گھر رہی پی کر جاؤں گا۔ مگر دس بجے کے قریب کھانا
میاں اللہ دتہ کے ہاں کھاؤں گا۔ ممکن ہے۔ مجھے دیر لگ
جائے۔ تم فکر نہ کرنا۔ گیان نے پوچھا۔ ان کا مکان کہاں
ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے خود پتہ نہیں۔ کہ وہ کس محلہ
میں رہتے ہیں۔ اور ان کا مکان کہاں ہے۔ صبح ان کا
لڑکا مجھے بلانے آئیگا۔ اور میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔
میری بیوی نے ازراہ ہمدردی و احتیاط مجھے ہدایت کی۔
کہ کوئی ایسی چیز نہ کھا بیٹھنا۔ جو مزاج کے موافق نہ
ہو۔ جب تک آپ واپس نہ آئیں گے۔ مجھے فکر ہی رہے
گا۔ میں نے مذاقاً کہا۔ تم تو برہمن زادی ہو۔ اور
تمہیں پتہ ہے۔ کہ جب شرادھ کے دنوں میں برہمن کسی کے ہاں
شرادھ کھانے جاتے ہیں۔ تو خالی پیٹ جاتے ہیں۔ اور
جہاں بھی۔ برہمن دیوتا کو ٹھونس ٹھونس کر کھلاتے ہیں۔
مجھے بھی ٹھونس ٹھونس کر کھلایا جائیگا۔ اور میں خود بھی

ٹٹولیں ٹٹولیں کر کھا کر آؤں گا۔ بالو دلیوی میری اس مذاقیہ گفتگو پر خوب ہنسی۔ اور کہنے لگی۔ "دیکھنا کہیں سچ مچ ہی ایسا نہ کر بیٹھنا۔ میں نے کہا۔ میں اتنا بیوقوف نہیں۔ کہ موسم کا خیال نہ رکھوں۔ میں نے تو اس لئے وہاں جانا منظور کر لیا ہے۔ کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ ورنہ میری تو یہ حالت ہے۔ کہ انڈیا بھر میں گھومتا پھرتا ہوں جہاں جاتا ہوں۔ لذیذ سے لذیذ اور ہر قسم کے کھانے میرے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ مگر جب میرے میزبان دیکھتے ہیں۔ کہ میں چند لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لیتا ہوں تو وہ حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں۔ کہ یہ اتنی تھوڑی خوراک کھا کر میں اتنا زیادہ کام کیسے کرتا ہوں۔ اور میں زندہ کیسے ہوں۔ میں ان کو مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں یہی جواب دیتا ہوں۔ کہ انسان خوراک سے نہیں۔ بلکہ کلام سے زندہ رہتا ہے۔ کل کے کھانے میں بھی کیا ہوگا؟ کچھ گپ شپ ہی ہوگی۔ جلدی آجاؤں گا۔ تم نے فکر نہ کرنا۔

۳

دوسرے دن صبح اٹھتے ہی بالو دلیوی نے میری منشا کے مطابق چائے تیار کر دی۔ اور میں چائے سے فارغ ہو کر اپنے دفتر میں کام کرنے کیلئے بیٹھ گیا۔ دس بجے کے قریب حسب وعدہ نہرو میرے لینے کیلئے

آ گیا۔ میں نے دفتر کو بند کر دیا۔ اور بابو دیوی
سے کہا۔ کہ لڑکا مجھے بلانے کیلئے آ گیا ہے۔ اور
میں جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر میں رحمت کیساتھ چل دیا۔
میں نے چلتے چلتے رحمت سے پوچھا۔ کہ برخوردار یہ
تو بتاؤ۔ مکان کتنی دور ہے۔ اور کس محلہ میں ہے۔
اس نے کہا۔ کہ صرف تین چار منٹ کا راستہ ہے۔ اور وہ
اقبال گنج کے ڈاک خانہ کے ساتھ لگتے کوچہ میں ہے۔
ڈاک خانہ اقبال گنج اور اس کے ملحق کوچہ کا نام سن
کر مجھے کچھ کپکپی سی لگ گئی۔ اور سوچنے لگ پڑا۔
کہ کہیں یہ وہی کوچہ نہ ہو۔ جہاں میں نے سرونج کی
روح کو بہ جسدِ عنصری کھڑے دیکھا تھا۔ میں اسی سوچ
میں رحمت کے ساتھ کشاں کشاں جا رہا تھا۔ کہ تین
چار منٹ کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ رحمت نے اپنا قدم
اسی بند کوچہ میں رکھا۔ اب میرے قدموں میں لغزش
تھی۔ مگر میں رحمت کے ساتھ چلنے کے لئے مجبور تھا۔
جب رحمت اس بند کوچہ کے آخری سرے پر پہنچا۔ تو اس
نے دائیں طرف کا دروازہ کھولا۔ اور اندر صحن میں داخل
ہو کر مجھے بھی کہا۔ کہ آپ اندر آ جائیں۔ چنانچہ میں اس
کے ساتھ ہی اندر صحن میں داخل ہو گیا۔ میں نے
دیکھا۔ کہ صحن بہت کشادہ ہے۔ اس کے ایک طرف
گائے بندھی ہے۔ دوسری طرف ایک چھوٹی سی لڑکی برتن

صاف کر رہی ہے۔ اس لڑکی کا رنگ گندمی تھا۔ ذرا فاصلہ پر میاں اللہ ورتہ اور رحمت کی والدہ کھڑے تھے۔ صحن میں میرے لئے دیہاتی طرز پر چارپائی بچھی تھی۔ اور اس پر سفید دری تھی۔ میں نے سب کو سلام مسنون کیا۔ سب نے جواب دیا۔ اور چارپائی پر بیٹھنے کی آرزو ظاہر کی۔ میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میرا منہ مشرق کی طرف تھا۔ ذرا فاصلہ پر دیسی طرز کا چولہا تھا۔ چولہے پر توا تھا۔ آگ جل رہی تھی۔ مگر چپاتی بنانیوالی کوئی نظر نہیں آتی تھی۔

باب یازدہم

چوتھی فصل

لوحِ محفوظ

یہ ظاہر میں رحمت کی والدہ اور رحمت کے ابا کیساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ مگر میرے دل میں لوح محفوظ کا مضمون تھا

میاں صاحب میرے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئے۔ رحمت کی والدہ ذرا فاصلے پر کھڑی مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ شکایت کرنے لگیں۔ کہ آپ ہم سے دور دور کیوں رہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں تو آپ سے بالکل نزدیک رہتا ہوں۔ میرا مکان یہاں سے دور نہیں ہے۔ رحمت کی والدہ نے کہا۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ آپ ہم سے ملتے جلتے کیوں نہیں۔ میں نے کہا۔ میں آج کل اپنے لکھنے پڑھنے کے کام میں مصروف رہتا ہوں۔ اور میرا زیادہ وقت لدھیانہ سے باہر اندیا بھر میں دین کی تبلیغ اور اشاعت میں گزرتا ہے۔ میں رحمت کی والدہ کی باتوں کا جواب دے رہا تھا۔ کہ اتنے میں میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ساتھ والے کمرے سے سروج کا بھوت یا سروج کی روح نہیں بلکہ دیو کماری سروج مجسم بعینہ اسی لباس میں جیسا کہ میں نے اس کو لاہور کے میو ہسپتال میں ڈاکٹر وستری کی کے مکان کے صحن میں سفید ڈوپٹہ اور سفید شلوار پہنے ایک نہایت خوبصورت اور صحت مجسم پنجابی شریف زادی کی شکل میں دیکھا تھا۔ ڈوپٹہ سنبھالتے ہوئے سر جھکائے خراماں خراماں چولہے کی طرف آئی۔ اس کی سرمگین آنکھیں اس طرح جھکی ہوئی تھیں۔ جس طرح الموڑہ میں میری آنکھیں کماری گینا کی طرح سروج

کے میرے سامنے آنے پر شرم سے جھک رہی تھیں
وہ ایک شریف زادی کی طرح چولہے کے ایک طرف بیٹھ
گئی۔ تاکہ وہ چپاتی بنالے۔ اس کے ریشمیں بالوں کی
ایک لٹ اس کے سفید ڈوپٹہ سے باغی ہوکر اس کی
روشن پیشانی پر نمودار ہو رہی تھی۔ میرا تمام جسم لرز
گیا۔ اور میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ کہ کیا یہی وہ
مجسمہ ہے۔ جس کو میں نے دو دفعہ اس بند کوچے میں
دیکھا تھا۔ اور دونوں دفعہ وہ زمین یا آسمان یا ہوا میں
گم ہوگیا تھا۔ اور کیا آج بھی ایسا ہی ہوگا۔ میں اسی
کشمکش و پیچ میں تھا۔ کہ اس نے اپنی نیم باز آنکھوں
سے میری طرف دیکھا۔ جبکہ اس کے لبوں پر ہلکی سی
مسکراہٹ تھی۔ میں نے اس کو پہچان لیا۔ کہ میں اپنے
سامنے نہ بھوت دیکھ رہا ہوں نہ آسیب۔ نہ روح بلکہ
سروِنج۔ "زندہ سرونج" میرا رنگ فق تھا۔ جب کہ
بجلی کے ایک ہی جھٹکے نے میری وہ حالت کر دی
جس کا برداشت کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔
میں نے جس پاک روح کو اس بند کوچہ کے سرے
پر دو دفعہ دیکھا۔ اور وہ آناً فاناً میری نظر سے
غائب ہوگئی تھی۔ وہ آج میرے سامنے بہ جسدِ
عنصری موجود تھی۔ اس کے ریشمیں بالوں کی ایک لٹ
اس کی روشن پیشانی اور رخسار پر پھیل رہی تھی

میں نے محسوس کیا۔ کہ سروج کے پہلے جسدِ عنصری
کی خوبصورتی میں اگر کوئی کمی رہ گئی تھی۔ قادر مطلق
نے اس کمی کو پورا کرکے اِس کو جنت کی حور بنا کر
دنیا میں بھیجا ہے۔ اب میرے لیے رشک دشبہ کی کوئی
وجہ نہیں تھی۔ جتنے منٹ گزر رہے تھے۔ اسی رفتار
سے میرا درد بڑھتا جا رہا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا۔ کہ
قدرت کتنی منتقم واقع ہوئی ہے۔ قدرت مجھ سے سروج
کا پورا انتقام لینے کے درپے ہے۔ اور جو واردات
سروج کے قلب پر نازل ہو چکی تھی۔ قدرت اِن سب
کا ذائقہ مجھے چکھانے میں لذت محسوس کرتی ہے۔
قدرت مجھ کو بتانا چاہتی ہے۔ کہ پبلک مین یا دھرمک
انسان کا دل بھی پتھر نہیں ہوتا۔ جس میں درد کی ٹیس
پیدا نہ ہوتی ہو۔ میرے سامنے کھانا آگیا۔ مگر
اس کو کھاتا کون؟ میں نے اِس خیال سے کہ میزبان
کی دل شکنی نہ ہو۔ دو چار لقمے لیکر ہاتھ کھینچ لیا۔
رحمت کی والدہ اور اس کے ابا نے اِس بات پر اصرار
کیا۔ کہ میں کچھ اور کھاؤں۔ مگر میری کیفیت یہ تھی۔ کہ
میں اس مکان سے بہت جلدی رخصت ہو کر گھر پہنچنا
چاہتا تھا۔ کیونکہ میری حالت بالکل دگرگوں ہو رہی تھی
چنانچہ میں نے اپنے میزبانوں سے رخصت لی۔ اور گھر کی
طرف چل دیا۔ میرے دل کی کیفیت کیا تھی۔؟ اس میں،

ایک تلاطم برپا تھا۔ میرا یہ شبہ تو دور ہو چکا تھا
کہ میں نے اِس بند کوچے میں سروج کی روح یا اس
کا بھوت نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ سروج مجسم تھی۔ جس کو
میں نے آج اپنے ہاتھ سے میرے لئے چپاتی بناتے
دیکھا تھا۔ سروج کی بھی تو یہی خواہش ہوتی تھی۔ کہ وہ
اپنے ہاتھ سے کھانا بنا کر مجھے کھلائے۔ مگر اس کی
یہ تمنا کبھی بھی پوری نہ ہوئی۔ ان ہی خیالات میں غلطاں
پیچاں میں اپنے مکان کی طرف چلا جا رہا تھا۔ چند منٹ
کے عرصہ میں ہی میری یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ میرا جسم
آگ کی سی بھٹی میں پھنکنے لگا۔ مجھے ایسا محسوس ہونے
لگا۔ گویا میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔
تعجب نہیں۔ گھر پہنچتے پہنچتے میرا ہارٹ فیل ہو جائے۔
بہ مشکل تمام میں گھر کے صحن میں داخل ہوا۔ بجائے
دفتر کا دروازہ کھولنے کے میں سیدھا اپنے سونے
کے کمرہ میں چلا گیا۔ اور اپنے بستر پر گر پڑا۔ میں
نے گیان کو آواز دی۔ کہ مجھے سخت سردی لگ رہی
ہے۔ مجھے رضائی یا کمبل جو کچھ بھی ہو اوڑھا دیجئے۔
بانو دیوی حیران و سراسیمہ بھاگی ہوئی میرے پاس آئی
اور میری حالت کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ پوچھنے
لگی۔ یہ کیا ہو گیا۔ میں نے کہا ابھی مجھے نہ بلاؤ۔
مجھے ذرا آرام کرنے دو۔ میں نے کمبل میں اپنا سر

منہ لپیٹ لیا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ اور میں اس کی دھڑکن کو محسوس کر رہا تھا۔ میں رو کر دردِ دل کو ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ مگر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے گرم لو نکل رہی تھی۔ اور میں اس چکر میں مبتلا تھا۔ کہ جو کیفیت سروج کی اس سے قبل ہو چکی ہے۔ بعینہ ان ہی منازل میں سے مجھے گزرنا پڑیگا۔ اِس لئے کہ قدرت منتقم واقع ہوئی ہے۔ سروج اپنی باری دے چکی ہے۔ اب میری باری ہے۔ کہ میں درد کی ٹیس کو محسوس کروں۔ پہلے میری آنکھیں جھکتی تھیں۔ اور وہ میرے چہرے کو ٹھنڈی کرتی تھی۔ اب اس کی آنکھیں جھکتی ہیں۔ اور میں اس کے چہرے کو ٹھنڈی کرنے کا متمنی ہوں۔ پہلے سروج چاہتی تھی۔ کہ میں آنکھ اونچی کروں۔ اب میں چاہتا ہوں۔ کہ وہ آنکھ اونچی کرے۔ پہلے سروج میرے پریم کی آگ میں جلتی تھی۔ اب میں جل رہا ہوں۔ قدرت انتقام پر آمادہ ہے۔ وہ پورا انتقام لیگی۔ میں نے سروج کی لاش کو چتا میں رکھ کر آگ دکھائی تھی۔ اب مجھے قبر میں جانا پڑے گا۔ یہ ٹریجڈی ہوگی۔

۳۳

میں اسی خود فراموشی کی حالت میں کہاں سے کہاں بھٹک رہا تھا۔ کہ اتنے میں میں نے اس روشنی

کو محسوس کیا۔ جو کسی مشکل کے وقت رونما ہوتی تھی
میں نے سنا کہ ایک آواز آ رہی ہے۔ "تم فیل ہو گئے"
یہ غیبی آواز میرے لیے اب کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ میں
اس آواز کو سننے کا عادی ہو چکا تھا۔ خود سرونج
نے بھی عالم ارواح سے مجھے اپنے پیغام میں بتایا تھا۔
کہ عالم ارواح کے مقدسین جنکو سرونج نے دیوتاؤں
کے نام سے پکارا تھا۔ میرے معاملہ میں خاص دلچسپی
لیتے ہیں۔ اور کچھ دیوتا یا مقدسین ہر وقت میرے ساتھ
رہتے اور میری راہنمائی کرتے ہیں۔ مگر آج دیوتاؤں
یا مقدسین کی یہ آواز کہ میں فیل ہو گیا ہوں۔ میرے
لئے باعث تشویش تھی۔ اور میں سوچ میں پڑ گیا۔ کہ
اس کا کیا مطلب ہے۔ جیسے کہ تجسس کی نئی روح
پیدا ہو گئی۔ میں نے ایسا محسوس کیا۔ کہ میں مُردوں
بستی سے زندہ ہو رہا ہوں۔ مگر جہنم کی آگ میں جل
رہا ہوں۔ مجھے اس سے نکلنے کی ضرورت ہے۔ مگر میں
نکلوں کیسے؟ اور مجھے نکالے کون۔ میری قوت ارادہ
حد سے زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ اس کو دور کرنے کیلئے
میں نے اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنی شروع کی۔
او! غازی محمود تمہارے لئے بہت شرم کی بات ہے
تم پر لعنت ہے۔ کہ تم نے ایک ایسی معصوم کنیا* کی
طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ جس کے متعلق تمہیں کچھ علم نہیں

کہ وہ کون ہے۔ کس کی بیٹی ہے۔ کس کی منگیتر ہے۔ پھٹکار ہے تم پر۔ کہ جب تک تم غیر مسلم رہے تم نے آنکھیں نیچی رکھیں۔ اور تم نے اس کی تائید میں اسلام کی تعلیم پیش کی۔ مگر آج جب تم اسلام میں آ گئے ہو۔ تم نے آنکھ نیچی رکھنے کے خلاف عمل کیا۔ کیا تم نے اسلام کی دینی کتاب میں نہیں پڑھا کہ جن پر خدا کے کلام کا مطلب ظاہر ہو چکا ہو۔ اور وہ اسکی خلاف ورزی کریں۔ تو وہ مجرم بنتے ہیں۔ اور ان سے سخت انتقام لیا جاتا ہے۔ تمہیں جو یہ عذاب ملا اور مل رہا ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے پھٹکار ہے آج تم مجرم ہو۔ تم نے دُزدیدہ نظر سے غیر لڑکی کو دیکھا۔ تم چور ہو۔ اگر مسروج اپی ہے۔ جس کو تم نے آج دیکھا۔ تو وہ تمہارے جیسے چور کو نہیں مل سکتی تم نے اپنے آپ کو اپنی نظر میں آپ ہی ذلیل کر لیا ہے یہ تمہارا گدھا پن ہے۔ اگر تم اپنی اس ذلت کو محبت کے نام سے پکارو۔ ایک شریف آدمی نے تم کو اپنا عزیز سمجھ کر اپنے گھر پر بلایا۔ مگر تمہاری آنکھ نے اس شریف آدمی کے گھر میں چوری کی۔ تمہاری آنکھ اس سزا کی مستوجب ہے۔ کہ اس کو نکال کر پھینک دیا جائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی تو یہی کہا ہے اگر تیری آنکھ ٹھوکر کھلانے کا باعث ہو۔ تو اس کو

نکال کر پھینک دے۔ تاکہ آنکھ کے گناہ میں تیرا سارا جسم جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ تیری آنکھ نے گناہ کیا۔ اور آج تیرا سارا جسم جہنم کی آگ میں جل رہا ہے۔ تو رونا چاہتا ہے۔ مگر تیری آنکھوں سے بجائے آنسوؤں کے جہنم کی لو نکل رہی ہے۔ تو اسکا نام پریم یا محبت رکھتا ہے۔ نہیں یہ پریم نہیں۔ یہ خباثت ہے۔ بلکہ نجاست ہے۔ پریم جس کی ابتدا شادی کے بعد ہونی چاہئے۔ وہ جنت کی چیز ہے۔ مگر آج تیری آنکھ نے جو حرکت کی۔ وہ جہنم کی چیز ہے۔ اور تو اس آگ میں جل رہا ہے۔ اگر تو اس عذاب سے بچنے کے لئے خودکشی بھی کرلے۔ تو آگے اس سے زیادہ ہولناک ابدی جہنم تیرے لئے موجود ہے۔ اس لئے کہ جسم کی آنکھ روح کی آنکھ کے ذریعہ دیکھتی ہے۔ جسم کی آنکھ جسم کے ساتھ ہی مرجاتی ہے۔ مگر روح کی آنکھ روح کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ کیا جو جرم تیری روح کی آنکھ نے کیا۔ تو جسم کی آنکھ کے مرجانے پر بھی روح کی آنکھ سے کئے گئے جرم کی سزا بھگتنے سے بچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔ جس طرح تو یہاں جل رہا ہے۔ اسی طرح تو آگے بھی جلیگا۔

(۴)

مجھے نہیں معلوم ہں کتنی دیر کمبل میں سر منہ لپیٹے روتا اور اپنے اوپر لعنت پھٹکار ڈالتا گیا۔ میں نے فادر فلیط کی آواز کو

سُنا۔ جو کہ رہا تھا۔ "اٹھو۔ تم پاس ہو گئے"۔ میں نے
محسوس کیا۔ کہ میری قوت ارادہ واپس آ گئی۔ اب نہ تو
میرا دل ٹکڑے ہو رہا تھا۔ نہ میرا جسم پھنک رہا تھا۔
نہ آنکھیں جل رہی تھیں۔ میں نے اپنی بیوی کو آواز
دی۔ گیان! جلدی آؤ" وہ بڑی پریشان تھی۔ فوراً بھاگی
ہوئی آئی۔ پوچھنے لگی۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ذرا
چاء کا کپ تیار کر کے لاؤ۔ پھر میں بتاؤں گا۔ کہ یہ کیا
معاملہ تھا۔ وہ چند منٹوں میں چاء کا کپ تیار کر کے لے
آئی۔ میں نے کہا۔ اب ذرا غور سے میری بات کو سنو۔
تم کو یاد ہوگا۔ کہ کل میں نے تم سے مذاقاً کہا تھا۔ کہ
اب تو مجھے قبر ہی کھود کر کوئی منگیتر نکالنی پڑیگی۔ تم
کو یاد ہے نہ۔ گیان نے کہا۔ ہاں یاد ہے۔ میں نے کہا۔ اس
پر تم نے مذاقاً کہا تھا۔ کہ کوئی تم کو کفن چور سمجھ کر پکڑ
لیگا۔ تو پھر کیا ہوگا۔ گیان نے کہا۔ ہاں مجھے یہ بھی یاد
ہے۔ میں نے کہا۔ تو آج بعینہٖ ایسا ہی ہوا۔ میری ایک
نہایت خوبصورت منگیتر تھی۔ وہ مجھ سے ازحد محبت
کرتی تھی۔ مگر وہ شادی ہونے سے پہلے ہی مر گئی۔ اور
اپنی اور میری ساری آرزوؤں کا خون کر گئی۔ آج
میں نے دیکھا۔ کہ وہ سفید براق کپڑوں میں ملبوس ہے۔
میں نے سمجھا۔ کہ یہ تو مر چکی تھی۔ یہ زندہ کیسے ہو گئی؟
میں نے دزدیدہ نظر سے اس کو دیکھا۔ اور چاہا۔ کہ اسکو

جی بھر کر دیکھوں - میں ابھی دیکھنے نہیں پایا تھا - کہ میرے اس خیال پر ہی میں نے محسوس کیا - کہ یک دم شور مچ گیا -

"کون چور ہے - کون چور ہے - پکڑ لو - جانے نہ پائے"

گیان! مجھے اپنی اس حرکت پر سخت ندامت محسوس ہوئی - مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا - کہ کوئی طاقت میری روح کے سخت کوڑے مار رہی ہے اور میں ایک ناقابل برداشت عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں - میں یہ جانتا تھا - کہ اگر مسلمان سے بھول چوک کر کوئی گناہ ہو جائے - تو اس کو چاہئے - کہ وہ توبہ استغفار کرے - اور اپنے گناہ پر فخر کرنے کی بجائے ندامت محسوس کرے - اور شرمسار ہو - خدا اس کو معاف کر دیتا ہے - اور اس کے گناہ کو نیکی میں تبدیل کر دیتا ہے - گیان میری بات کو سنجیدگی سے سُن رہی تھی - اُس نے پوچھا - پھر کیا ہوا؟ میں نے کہا - تم جانتی ہو - کسی بیگانی لڑکی پر نظر ڈالنا کتنی بری بات ہے - میں نے جو اس طرح ایک لڑکی پر نظر ڈالی - تو اسکی سزا مجھ کو ملی - اور تم نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا - کہ یہ سزا کتنی سخت تھی - میں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا - اور اپنے آپ کو ہزاروں لعنت پھٹکار کا نشانہ بنایا - میں نے صدق دل سے توبہ کے آنسو بہائے - خدا نے مجھے معاف کر دیا - اب میں تمہارے سامنے بھی یہ اقبال جرم کرتا ہوں کہ میں نے تمہارے جیسی نیک نہاد اور وفادار بیوی رکھتے ہوئے غیر لڑکی پر نظر ڈالی - میری یہ حرکت

تمہارے ساتھ بھی ایک قسم کی بے وفائی تھی۔ مجھے میرے خدا نے معاف کر دیا۔ تم بھی مجھے معاف کر دو گیان میری اس صاف گوئی اور ندامت پر سنجیدہ ہو گئی۔ اور پوچھنے لگی۔ کہ اگر وہ آپ کی منگیتر تھی۔ تو منگیتر کو دیکھ لینا کوئی گناہ نہیں ہے۔ آپ نے اس کو اتنا برا کیوں منایا۔ ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ ٹھیک ہے۔ منگیتر کو دیکھ لینا گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ طے ہو چکا ہو کہ وہ منگیتر ہے مگر جس لڑکی کو میں نے دیکھا۔ اگرچہ کبھی وہ میری منگیتر تھی۔ مگر اس کا فیصلہ تو نہیں ہوا تھا۔ کہ وہ اب بھی میری منگیتر ہے۔ ممکن ہے۔ اب وہ اس دنیا میں فردوں میں سے زندہ ہو کر کسی دوسرے کی منگیتر ہو۔ گیان نے پوچھا۔ یہ منگیتر جو مر گئی تھی۔ کون تھی؟ میں نے کہا۔ اب میں تم کو کیا بتاؤں۔ کہ یہ کون تھی۔ تم خواہ مخواہ شک کرنے لگ جاؤ گی۔ گیان نے کہا۔ نہیں میں شک نہیں کروں گی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں۔ آپ ستیہ وادی ہیں۔ میں نے کہا۔ اگر یہ بات ہے۔ تو سن لو۔ یہ تمہاری ہی بہن ایک برہمن زادی تھی۔ یہ نہایت ہی خوبصورت۔ تعلیم یافتہ اور المورہ میں ایک گرل سکول کی ہیڈ مسٹریس یا ادھیاپکہ تھیں۔ جب ایک دفعہ میں گرمی کا موسم گذارنے کے لئے المورہ گیا تھا۔ تو المورہ میں میرے ٹھہرنے کا انتظام اسی دیوی نے کیا تھا۔ وہ مجھ سے

بہت پریم کرتی تھیں - ان کا پختہ ارادہ تھا - کہ وہ سوئمبر کے طریقہ پر اسی طرح مجھ سے شادی کر لینگی - جس طرح تم نے میرے ساتھ کی ہے - مگر سوئمبر ہونے سے پہلے ہی وہ انتقال فرما گئیں - اور میں نے لاہور میں انکی لاش کو بھسم کر کے خاکستر کو دریائے راوی میں بہا دیا تھا - مرتے وقت اس پاکباز دیوی نے یہ کہا تھا - کہ وہ دوبارہ جنم لیکر میری سیوا کریگی - آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ ستی ساوتری اپنے وعدہ کے مطابق دوبارہ اس دنیا میں آگئی ہے - میں نے اسکو پہچان لیا - اس نے بھی مجھے دیکھا - مگر ہم نے ابھی صرف ایک دوسرے کو دیکھا ہی تھا کہ اتنے میں شور مچ گیا "کھن چور ہے - کھن چور ہے" اور میں یہاں گھر میں آ کر چھپ گیا - میری جو حالت ہوئی - وہ تم سے پوشیدہ نہیں - یہ تو ہے حقیقت - اس سے تم جو نتیجہ نکالنا چاہو - نکال سکتی ہو -

(۵)

میری بات کو گیان نے بڑے غور اور متانت سے سن کر کہا اگر آپ کی اس بات میں صداقت ہو - میں نے گیان کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا - اگر کی تو اس میں کوئی بات نہیں یہ تو حقیقت ہے - گیان نے کہا - اگر حقیقت یہی ہے - تو مجھے بے انتہا خوشی ہوگی - اگر میری یہ بہن اس گھر میں آجائے - میری بھی یہ دیرینہ آرزو کہ آپ دوسری

شادی کریں - پوری ہو جائیگی - مگر میں پوچھتی ہوں - اس کا
نام کیا ہے؟ میں نے گیان کی اس بلند حوصلگی کی تعریف
کرتے ہوئے کہا - کہ مجھے پتہ نہیں - اب اس کا نام کیا ہے
مگر پہلے اسکا نام مس چھوٹا پا (دھیا) سروج کماری دیوی
تھا - اتنا مجھے یقین ہے - کہ وہ اس دنیا میں آگئی ہے - مگر
ابھی میں ٹھیک نہیں کہ سکتا - کہ جسکو میں نے دیکھا - اس
میں سروج کی ہی روح ہے - گیان! میں تم سے ایک بات
کہنا چاہتا ہوں - غور سے سننا - دیکھو تمہاری زبان پر
سرسوتی ہے - تم نے کل ہی کعبہ چھید کا خیال ظاہر کیا تھا -
اور آج میں نے اس کا ظہور آنکھوں دیکھا اور کانوں سن
لیا - اس لئے آئندہ جو بات کہا کرو - سوچ سمجھ کر کہا کرو -
اگر تم مجھے ستیہ وادی سمجھتی ہو - تو میں تمہیں ستیہ وتی
سمجھتا ہوں - گیان نے مسکراتے ہوئے کہا - آج مجھے دو نئے
نام اور مل گئے - میں نے تو کئی دفعہ کہا ہے - کہ مجھے نئے
نئے نام کب تک ملتے جائینگے - میں نے کہا - جہاں جس سے
زیادہ محبت ہوتی ہے - وہاں پیارے سے پیارے نام بھی
زیادہ رکھے جاتے ہیں - کرشن جی کے کتنے نام ہیں - وید
میں پرماتما کے کتنے نام ہیں؟ قرآن مجید میں خدا کو کتنے
ناموں سے پکارا گیا ہے؟ مجھے تم سے محبت ہے - اس لئے تمہارے
نام بھی بہت سے ہیں - مگر گیانی! تم نے آج تک مجھے کسی نام
سے نہیں بلایا - نہ غازی محمود کے نام سے - نہ دھرمپال کے نام سے -

اگر بلاتی ہو - تو صرف "جی" کہکر - اسپر گیان مسکرا دی - اور کہنے لگی - اگر آپ کو آپ کی منگیتر مل گئی - تو آپ اس کو کس نام سے پکارینگے - میں نے کہا - گیان! ابھی تو یہ بات ہی مشکوک ہے - کہ وہ کس کی ہے - اور کس کی ہوگی لیکن اگر وہ کسی دوسرے کی نہ ہو - اور مجھے ہی مل جائے تو سروج کتنا اچھا نام ہے - سروج کے معنی ہیں کنول کا پھول - اگر میں نے اسکو کسی دوسرے نام سے پکارا ہو تو میں اسکو "انوار" کے نام سے پکارونگا - کیونکہ اُس کی بدولت مجھ پر اتنی روشنی - انوار - اور تجلیات کا انکشاف ہوا ہے - کہ میری قلب ماہیئت ہوگئی ہے - گیان کیا تم نے نہیں دیکھا - کہ عالم اجسام کے قوانین سے بڑھ چڑھ کر عالم روحانیات کے آئین و قوانین یا قواعد و ضوابط کتنے سخت ہیں - کہ چھوٹی سے چھوٹی حرکت یا لغزش بھی نظر انداز نہیں ہونے پاتی - آخر میرا گناہ کیا تھا - ذرا سی آنکھ کی لغزش یا بے احتیاطی ہی تو تھی - مگر عالم روحانیات سے مجھے کتنی سخت سزا ملی - اور مجھ پر کتنی لعنت پھٹکار اور ملامت ہوئی - اور جب تک میں نے اپنی توبہ - استغفار یا پشچاتاپ کے آنسوؤں سے اسکو دھو نہیں ڈالا - مجھے اس عذاب سے چھٹکارا نہیں ملا - مگر پھر بھی میری طبیعت کتنی نڈھال ہے - میرا دل کام کرنے کو نہیں چاہتا - گیان نے کہا - میں ذرا چاء بنا کر لاتی ہوں - اس سے آپ کو بہت آرام ملیگا

ٹیاں چاء بنانے کے لئے چلی گئی۔ میرے سامنے میرا نامہ اعمال کھولا گیا۔ یہ بے انتہا لمبی ریل تھی۔ ریل کھلتی جاتی تھی۔ میں اس کو کہیں کہیں سے پڑھتا جاتا تھا۔ اس میں میرے بچپن جوانی۔ طالب علمی۔ یہاں تک کہ میرے ارتداد کا اور میری تمام تقریروں کا لفظ بہ لفظ اس طرح لکھا تھا۔ گویا کسی شارٹ ہینڈ رپورٹر نے لکھا ہو۔ خدائے قادر و قیوم کے ساتھ میری بحث۔ قاضی محمد سلیمان صاحب کے ساتھ میرا تبادلۂ خیالات فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا مکالمہ۔ اور فاروق اعظم کا جواب بلفظہٖ درج تھا۔ راجوں۔ مہاراجوں۔ مولویوں پنڈتوں کے ساتھ میرے مکالمات سب کے سب موجود تھے اسمیں میری زندگی کے وہ گوشے بھی بے نقاب کئے گئے تھے جنکا میرے سوا کسی دوسرے کو علم نہیں تھا۔ میرے نامہ اعمال میں وہیں شریف برہمن زادی کا یہ اظہار کہ "تم چتم تے۔ چنتم۔ استو" اور اس کے جواب میں میرا "تن۔ بے منا۔ شبو۔ سنکاپ۔ مستو" بھی درج تھا۔ جس سے پتہ لگتا تھا۔ کہ کاتبانِ اعمال زبان کی بندشوں سے بالاتر تھے میرے لئے یہ تعجب کی بات تھی۔ کہ میرے نامہ اعمال کے ہر ایک لفظ سے یا تو روشن کرنیں نکل رہی ہیں۔ یا سیاہ۔ روشن کرنوں کا رخ اوپر کی طرف تھا۔ اور ان پر علیین لکھا تھا۔ سیاہ کرنوں کا رخ نیچے کی طرف تھا۔ اور ان پر سجین لکھا تھا۔ میری آج کی لغزش بھی سیاہ حروف میں لکھی تھی۔ مگر ان حروف کے ارد

گرد ہاہیٹ روشن لکیر کھینچ دی گئی تھی۔ جس سے یہ سیاہ حروف بھی روشن ہو گئے تھے۔ یہ روشن لکیر توبہ و استغفار کے آنسو تھے۔ جنہوں نے سیاہی کو سفید کر دیا یا بدی کو نیکی میں بدل دیا تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس ریل کا ایک کونا مخوف ہے۔ میں نے اس کو ذرا ہٹایا۔ تو رسپر نے ترجنک بھی ہے کے الفاظ درج تھے میں نے اس ماخوف حصے کو اسی طرح بند کر دیا۔ میں حیران تھا۔ کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ میری شادی تو کسی حور سے نہیں ہوئی۔ ایک بیوہ برہمن زادی ہے؟

گیان چاء بنا کر لے آئی۔ اس نے دیکھا۔ کہ شاید میں سو گیا ہوں۔ اس نے آہستہ سے کہا "جی۔ چاء آ گئی" میں اٹھ بیٹھا اور گیان سے کہا۔ آج کا دن بھی کتنا پریشان کن ثابت ہوا۔ گیان! میری توبہ ہے۔ آج سے میں ڈاک خانہ جانے کا راستہ بدل دونگا۔ اور اس کوچہ کے سامنے سے نہیں گذرونگا۔ بلکہ نیم والے چوک کی طرف سے یا جج والا گوہر کے مکان کے سامنے بوڑھے کھوہ کے کوچے کی طرف سے جایا کروں گا۔ اور آج کی لغزش کی پاداش میں ایک ہفتہ بھر روزے رکھونگا۔ گیان اسپر مسکرا دی۔ کہنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے دماغ پر اس آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ میں نے کہا۔ آسیب ہو۔ یا کچھ ہو۔ میں اس کوچہ کے سامنے سے نہیں جایا کرونگا۔ میں چاء سپ کر رہا تھا۔ اور جو کچھ دیکھا اور پڑھا تھا۔ اسپر غور کر رہا تھا۔ اور خاموش تھا۔

باب یازدہم

پانچویں فصل

آسیب

(۱)

دن کی ناقابل برداشت کشمکش کے بعد میں رات کو میٹھی نیند سویا۔ دوسرے دن صبح جب میں اپنے دفتر میں بیٹھا کل کے ضروری خطوط کا جواب دے رہا تھا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ رحمت میاں میرے دفتر میں تشریف لائے۔ سلام مسنون کے بعد وہ کرسی پر بیٹھنے کے ساتھ ہی فرمانے لگے۔ میں نے آپ سے کچھ ضروری مشورہ کرنا ہے۔ میں نے قلم رکھ دیا۔ اور ان کی طرف متوجہ ہوا۔ فرمایئے کیا معاملہ ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کل آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لے گئے۔ آپ نے ہم کو مشکور فرمایا۔ آپ نے اس مکان کو دیکھ لیا۔ مکان اچھا ہے۔ مگر میں اس کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا۔ کیوں؟ کیا اس میں آسیب ہے۔ میاں صاحب مسکرا دیئے۔ کہ آسیب کا تو میں قائل نہیں۔ مگر یہ کرایہ کا بھوت ہر ماہ سر پر سوار ہو

جاتا ہے۔ اِس لئے میں نے اور رحمت کی والدہ نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہم اپنا ذاتی مکان بنائیں۔ اور اس کرایہ کے ٹنٹے سے بچ جائیں۔ میں نے کہا۔ آپ کا یہ خیال تو بہت مبارک ہے۔ میاں صاحب بولے۔ میں آپ سے اتنا مشورہ چاہتا ہوں۔کہ مکان بناؤں کہاں!۔ میں نے کہا۔آخر آپ نے بھی کچھ سوچا ہوگا۔ فرمانے لگے۔میں نے تو یہ سوچا ہے۔ کہ شاہزادہ سلطان علی کی جو زمین فروخت ہو رہی ہے۔میں اس میں سے ایک ٹکڑا خرید لوں۔ میں چونکہ شاہزادہ صاحب سے متعارف نہیں ہوں۔ اس لئے اگر آپ ان سے میری بات چیت کروا دیں۔ تو آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔ میں نے کہا۔ وہ زمین تھی تو شہزادہ صاحب کی۔ مگر اب اس پر قبضہ لالہ مہتاب رائے کا ہے۔ اور وہی اس کو فروخت بھی کر رہے ہیں۔ اگر آپ چاہیں۔ تو میں لالہ مہتاب رائے سے آپ کی بات چیت کروا دوں گا۔ مگر آپ کتنے گز کا ٹکڑا لینا پسند کریں گے۔ میاں صاحب بولے۔میں سردست اتنی زمین چاہتا ہوں۔ جس میں ایک دو زنانہ کمرہ اور ایک بیٹھک بن جائے۔ اور کچھ اس میں صحن بھی رہ جائے۔ میں نے کہا۔ لالہ مہتاب رائے نے ۵۰ گز سے لیکر پانچ سو گز کے ٹکڑے بنائے ہیں۔ آپ فرمائیں۔آپ کتنے گز کا ٹکڑا لینا پسند کریں گے۔ میاں صاحب بولے۔قیمت فی گز کیا ہوگی۔ میں نے کہا۔ وہ تین روپیہ گز کے حساب سے

فروخت کر رہے ہیں۔ میاں صاحب بولے۔ تو آپ سردست
مجھے ایک چھوٹا ٹکڑا دلوا دیجئے۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا
ایسا ہو جائیگا۔ میں آج لالہ مہتاب رائے سے مل لوں گا۔
آپ روپیہ تیار رکھئے۔ کل رجسٹری ہو جائیگی۔ میاں صاحب
نے کہا۔ روپیہ تیار ہے۔ میں نے کہا۔ تو پھر کل دس بجے کے
بعد میرے دفتر میں آپ تشریف لے آئیں۔ اور ہم دونوں
لالہ جی کے پاس چلے چلینگے۔ اور ضروری لکھت پڑھت کے بعد
کل ہی رجسٹری ہو جائیگی۔ میاں صاحب بولے۔ آپ کا شکریہ
یہ کہکر وہ چلنے کیلئے تیار ہوئے۔ تو میں نے کہا۔ ذرا ٹھہریئے
چاہ پیئں گے یا چھاہ۔ میاں صاحب چاہ اور چھاہ کے ہموزن
لفظ پر ہنس دیئے۔ اور کہنے لگے۔ یہ انگریز بھی کتنے چالاک
ہیں۔ کہ اس نے ہماری چھاہ کو چاہ بنا دیا۔ ہم پنجابیوں
کی چھاہ (چھاچھ) کتنی اچھی چیز ہے۔ صبح اٹھکر گھر والی
دودھ دہوتی تازہ مکھن نکالتی۔ اور روٹی پر رکھکر جب
بچوں کو دیتی۔ تو وہ کس قدر خوش ہو کر کھاتے تھے۔ مگر
اب یہ چاہ کیا ہے۔ پلٹن۔ خدا معلوم یہ کیا بلا ہے۔ کہ
نہ اس کا رنگ ہے۔ نہ روپ ہے۔ نہ ذائقہ ہے۔ نہ اس
میں غذائیت ہے۔ مگر ایسی لتّ ہے۔ کہ پیچھا نہیں چھوڑتی
خدا معلوم اس کو پوست یا افیون کے پانی سے دہویا جاتا
ہے۔ اگر وقت پر نہ پلی جائے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ نشہ
ٹوٹ گیا۔ میں نے میاں صاحب کی بات پر مسکراتے ہوئے کہا

تو اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ آپ "چھا" پسند کرتے ہیں۔ اچھا تو چھا آتی ہے۔ میں اندر گیا۔ اور میاں صاحب کیلئے ایک کٹورا چھاچھ اور روٹی پر مکھن لے آیا۔ میاں صاحب دیکھ کر خوب ہنسے۔ کہنے لگے۔ یہ ہم پنجابیوں کے نعمت ہیں۔ اور یہ ہے بھی۔ جب آپ چھاچھ نوش فرما چکے۔ اور جانے لگے۔ تو میں نے کہا۔ بھول نہ جانا۔ کل آپ نے اسی وقت یہاں آ جانا۔

(۴)

میاں صاحب تو روانہ ہو گئے۔ میں دفتر بند کر کے لالہ مہتاب رائے کے پاس گیا۔ ان کی دکان لدھیانہ کے چوڑے بازار میں تھی ان سے کہا۔ لالہ جی! ایک ۷۵ گز کا ٹکڑا کل میرے ایک دوست کے نام رجسٹری کروا دیجئے۔ لالہ جی سن کر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا کل ہی "لیجئے"۔ میں نے کہا۔ میں اپنے دوست کے ہمراہ کل اسی وقت آپ کے پاس آ جاؤں گا۔ اتنی تکلیف کیجئے۔ کہ وقت ضائع نہ ہو۔ اور کام کل ہی ہو جائے۔ لالہ جی بولے آپ اطمینان رکھیں۔ کل ہی ہو جائے گا۔ میں لالہ جی کو یہ پیغام دیکر واپس آ گیا۔ اور دفتر کا ضروری کام کرنے لگ گیا۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر میاں صاحب روپیہ لیکر میرے دفتر میں آ گئے حسب قاعدہ میں نے ان کی چھاچھ اور مکھن سے تواضع کی۔ اس کے بعد ہم لالہ مہتاب رائے جی کے ہاں پہنچ گئے۔ ان کو ساتھ لیکر کچہری گئے۔ وثیقہ نویس سے کاغذ لکھوا سب رجسٹرار کے پیش کر کے رجسٹری کروا واپس آ گئے۔ میاں صاحب بہت

خوش ہوئے۔ اور میری مستعدی پر مجھے داد دی۔ میں نے
کہا۔ رسید آپ کو مل گئی ہے۔ تین چار دن کے بعد رسید
دکھا کر رجسٹری لے جانا۔ چونکہ زمین کے ٹکڑے کھلے طور پر
فروخت ہو رہے ہیں۔ اس لئے ان پر حق شفع کا قانون بھی
لاگو نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں۔ مکان بنوا سکتے ہیں۔ ہم
باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ میاں صاحب نے پوچھا۔ مکان
کتنے عرصہ میں تیار ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا۔ جتنے عرصہ میں
آپ چاہیں تیار ہو سکتا ہے۔ فرمانے لگے۔ میں تو چاہتا
ہوں۔ ایک ہفتہ کے اندر تیار ہو جائے۔ میں نے کہا۔ کہ
لدھیانہ میں لکڑی۔ اینٹ چونہ۔ سیمنٹ۔ راج۔ مزدور۔ ترکھان
وغیرہ کسی چیز کی کمی نہیں۔ آپ ایک یا دو راج مزدور کی بجائے
زیادہ راج مزدور لگوا دیں۔ تو ایک ہفتہ سے بھی کم عرصہ
میں مکان تیار ہو جائیگا۔ میاں صاحب بولے۔ کہ لوگ تو
چھوٹا سا مکان بنوانے میں بھی مہینوں لگا دیتے ہیں۔ اور
راج مزدوروں کو مزدوری دیتے دیتے تنگ جاتے ہیں۔ مگر
آپ کہتے ہیں۔ کہ آپ اتنا مکان ایک ہفتہ میں تیار کروا دینگے۔
کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ لوگوں کو
کام کرنے یا کام کروانے کا طریقہ نہیں آتا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ
راج مزدوروں کو ڈانٹ ڈپٹ بتانے سے کام خوب ہوتا ہے۔
حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ آخر مزدور بھی ہمارے ہی بھائی بند
ہوتے ہیں۔ اُن کے ساتھ حسن سلوک ہونا چاہیئے۔ اور

اور مزدور خوش دل کنند کار بیش کے مقولہ کو مدنظر رکھتے ہوئے انکی مزدوری اور انعام ان کا پسینہ سوکھنے سے پہلے ان کو دیدینا چاہیئے۔ اور جب وہ جانے لگیں۔ تو ان کو دن بھر کی محنت کے لئے شاباش دینی چاہیئے۔ اور اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ میاں صاحب نے کہا۔ کہ مجھے اس کا تجربہ نہیں ہے۔ آپ اس کام کو اپنے ذمہ لے لیں۔ میں نے کہا۔ مضائقہ نہیں۔ میں آپ کا یہ کام کروا دونگا۔ چنانچہ جب سب رجسٹرار کے دفتر سے رجسٹری آگئی۔ تو کمیٹی کے ہاں مجوزہ مکان کا خاکہ اور درخواست برائے تعمیر مکان دیدئے گئے۔ جب نقشہ منظور ہوکر آگیا۔ تو میں نے اپنی زیر نگرانی میاں کا مکان ایک ہفتہ کے عرصہ میں تیار کروا دیا۔ اور میاں صاحب اپنے نو تعمیر مکان میں چلے گئے۔

(۳۰)

جب میاں صاحب اپنے مکان میں چلے گئے۔ تو میں نے گیان سے کہا۔ مبارک ہو۔ کوچہ کھل گیا۔ میاں صاحب اس مکان کو جس میں آسیب تھا۔ خالی کر گئے۔ گیان نے پوچھا۔ وہ جو آسیب تھا۔ وہ کیا ہوا؟ میں نے کہا۔ وہ بھی میاں صاحب کے ساتھ ہی چلا گیا ہوگا۔ میں جانتا تھا۔ کہ وہ سفید براق دوپٹہ۔ پنجابی شلوار۔ نورانی پیشانی پر ریشمیں بالوں کی لٹ۔ یاقوتی ہونٹ۔ اور ان پر ہلکی سی مسکراہٹ۔ بھرا ہوا چہرہ۔ رخساروں پر قدرتی سرخی۔ نہایت خوبصورت

ہاتھ - اِن ہاتھوں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں - اِن ہاتھوں سے
چپاتی بنانا - اور پھر لبوں پر میٹھی سی مسکراہٹ لئے ہوئے
میری طرف دزدیدہ نظر ڈال کر اس طرح لاپرواہ ہوجانا کہ
گویا دنیا میں آکر جس بے گناہ سے انتقام لینا تھا - وہ لے لیا گیا
اور کہ اب اس کو جلنے - کڑھنے - رونے - دھونے کے لئے چھوڑ
دینا چاہیئے - یہ سب باتیں آسیب نہیں تھیں - مگر جنت کی
چڑیا کی یہ سب حرکات میرے لئے شجرہ ممنوعہ تھیں - میں
ان باتوں کو بھول نہیں سکتا تھا - مگر میں اس ننگی تلوار
کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا - جو اس شجرہ ممنوعہ کے
دائیں اور بائیں قدوسیوں کے ہاتھ میں چمک رہی تھی - اور
جس میں یہ طاقت تھی - کہ اس شجرہ ممنوعہ کی طرف نظر بھر
کر دیکھنے والے کے دل کے پرخچے اڑا دے - اور اس کو رونے
چلانے اور تڑپنے کا بھی موقع نہ دے - یہ سب باتیں میرے
لئے آسیب نہیں تھیں - اسی لئے جب گیان میرے سامنے
آسیب کا نام لیتی تھی - تو یہ تمام نقشہ میرے سامنے
آجاتا تھا - اور میں ٹھٹھک کر رہ جاتا تھا -

(۴)

میاں صاحب کو اپنے نئے مکان میں گئے کئی ہفتے ہو گئے تھے
اس اثنا میں انہوں نے کئی دفعہ درخواست کی - کہ میں ان کے
نئے مکان میں جا کر کھانا کھاؤں - انہوں نے رحمت کی والدہ کی طرف
سے بھی شکایت کی - کہ آپ بھول کر بھی ان کے ہاں قدم نہیں رکھتے -

اس کی کیا وجہ ہے۔ میں ہنس کر ٹال دیتا۔ آخر ایک دن جبکہ میں اپنے مکان کے صحن میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ میاں صاحب اچانک آ گئے۔ سلام مسنون کرنے کے بعد میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ خیر و عافیت پوچھی جا چکی۔ تو میں نے میاں صاحب سے کہا۔ فرمائیے۔ آپ کو اپنے نئے مکان میں کوئی تکلیف تو نہیں۔ فرمایا۔ کہ میں اور میرے بیوی بچے سب خوش ہیں۔ مگر ان سب کو خیال ہے۔ کہ آپ ادھر کیوں نہیں آتے۔ رحمت کی ماں کا خیال ہے۔ کہ آپ کو دعوت دے۔ اور آپ سے کچھ بات چیت بھی کرے۔ میں نے کہا۔ یہ آپ کی اور رحمت کی والدہ کی عین شفقت ہے۔ کہ مجھے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر آپ دیکھ سکتے ہیں۔ کہ میں لکھنے پڑھنے کے کام میں کتنا مصروف رہتا ہوں۔ اور دوسرے مجھ یہ بڑی نامراد عادت ہے۔ کہ میں انسانوں سے ملنے کی بجائے کتابوں کے مطالعہ میں غرق رہتا ہوں۔ چاہتا بھی ہوں۔ کہ خشک ورق گردانی کی بجائے سوسائٹی میں چلوں پھروں۔ مگر عادت ایسی بگڑی ہوئی ہے۔ کہ سمجھائے نہیں سمجھتی۔ میرے اس آخری فقرے پر رحمت کے ابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ انسان زندہ کتاب ہے۔ اسکا مطالعہ بھی زندگی بخشتا ہے۔ میں نے کہا۔ جنکی روح مردہ ہو۔ ممکن ہے ان کو کسی زندہ کتاب سے زندگی مل جائے۔ مگر میری روح مردہ نہیں۔ اس میں بے انتہا زندگی ہے۔ اس لئے جب میں نے کسی زندہ کتاب کے مطالعہ کی کوشش

گی ہے۔ تو دوسری طرف سے زندگی کی رو نے میری روح
کی زندہ رو کے ساتھ ٹکر لیتے کے ساتھ ہی ایسا طوفانی
شعلہ پیدا کر دیا۔ جس سے یا تو وہ کتابی چہرہ ختم ہو گیا
یا مجھ پر مصیبت آ پڑی۔ اس لئے میں نے اپنی سلامتی اسی
میں سمجھ رکھی ہے۔ کہ زندہ کتابوں کے مطالعہ کا خطرہ مول
لینے کی بجائے اپنی ان بے ایذا اور خاموش سہیلیوں سے
ہی دل بہلاتا رہوں"۔ میرے ان خیالات کو سن کر میاں
صاحب مسکرا دیئے۔ کہنے لگے۔ یہ تو عدد کلیہ ہیں۔
خدا نے ہمارے جسم میں دو ہاتھ۔ دو ٹانگیں۔ دو
پاؤں۔ دو کان اور دو آنکھیں دی ہیں۔ مگر ان
دونوں میں کبھی طوفانی شعلہ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے
برعکس وہ ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔
میاں صاحب کی اس دلیل کو سن کر میں نے کہا۔ "کاش خدا
نے مجھے دو دل بھی دیئے ہوتے۔ مگر میرے پاس تو
ایک ہی دل ہے۔ وہ بھی دو طرف بٹ رہا ہے۔ کچھ حصہ
پر تو ایک برہمن زادی نے قبضہ کر رکھا ہے۔ جو باقی
ہے۔ اس پر میرے قلم دان نے حق شفع کر رکھا ہے
میں اب کوئی زندہ کتاب پڑھوں۔ تو کیسے؟" میاں
صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو کیا آپ کا دل اتنا ہی
چھوٹا سا ہے۔ میں نے تو سمجھا تھا۔ دل دریا سمندروں
ڈونگا ہوتا ہے۔ مگر آپ نے تو اسکو [illegible]ٹا سا لوٹہ بلکہ کٹوری

بنا رکھا ہے"۔ اس ٹوبہ۔ٹوبڑی کی ادبی موزونیت پر میں
بے اختیار ہنس دیا میں نے کہا۔ تو آپ کا یہ مطلب ہے
کہ میں زندگی کی اس ادبی رزمگاہ میں از سرِ نو بغدادی
قاعدہ شروع کردوں۔ میرے گھر میں تو یہ برہمن زادی ہی
انسائیکلو پیڈیا کافی ہے۔ مجھے اس کے مطالعہ کے لئے فرصت
نہیں ملتی۔ تو بغدادی قاعدہ کے مطالعہ کے لئے وقت کہاں
سے نکالونگا۔ میر میاں صاحب خوب ہنسے۔ کہنے لگے انسائی
کلو پیڈیا کے مضامین باریک ٹائپ میں لکھے ہوتے ہیں۔
ان کے پڑھنے کے لئے آنکھوں پر زور ڈالنا پڑتا ہے۔ بغدادی
موٹے حروف میں لکھا ہوتا ہے۔ اس کے پڑھنے میں دقت
نہیں ہوا کرتی۔ اس ادبی مضمون پر ہم دونوں خوب ہنسی
مذاق کرتے رہے۔ میاں صاحب نے جب دیکھا۔ کہ میں کسی قدر
ان کے ڈھب پر آگیا ہوں۔ تو ذرا سنجیدہ ہوکر کہنے لگے:۔
"غازی میاں بات دراصل یہ ہے۔ کہ جب آپ لاہور کالج
میں پڑھتے تھے۔ اور آپ کے والد صاحب بقیدِ حیات تھے
اس وقت میں نے اپنے خاندان میں آپ کی شادی کی تجویز
کی تھی۔ اور میں نے آپ کے والد مرحوم سے ذکر کیا تھا کہ
اگر وہ اس رشتہ کو منظور فرمائیں۔ تو لڑکی کے والدین
اس پر تیار ہیں۔ کہ اگر آپ ولایت میں بھی تعلیم پانے کیلئے
جانا چاہینگے۔ تو وہ آپ کے تمام اخراجات برداشت کرینگے
اس پر آپ کے والد مرحوم نے آپ کو لاہور کالج کے پتہ پر خط لکھا

اور یہ سب باتیں اس میں درج کیں۔ مگر آپ کی طرف سے
کورا جواب آیا۔ کہ آپ شادی نہیں کرنا چاہتے۔ آپ بتائیں کہ
کیا ایسا ہوا تھا۔ یا نہیں؟ میں نے میاں صاحب سے کہا۔ کہ آپ
نے جو بیان دیا ہے۔ یہ لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔ واقعی ایسا ہی ہوا
تھا۔ میاں صاحب نے کہا۔ کہ آپ کے خط کو پڑھ کر آپ کے والد
مرحوم کو اور مجھے بھی بڑا افسوس ہوا۔ اس لڑکی کی شادی
دوسری جگہ کردی گئی۔ مگر میرے دل میں آپ کا خیال برابر موجود
رہا۔ اس کے بعد آپ نے بی۔ اے۔ پاس کیا۔ ہیڈ ماسٹر بنے
آریہ ہوگئے۔ اور خدا معلوم کہاں کہاں گھومے۔ پھرے۔
مگر مجھے یہ یقین تھا۔ کہ آپ میاں جی جیسے عالم فاضل۔ متقی اور
دیندار باپ کے فرزند ہیں۔ کچھ ہی ہو جائے۔ مگر
آپ پھر اسلام میں واپس آ جائینگے۔ آخر کار خدا نے
وہ دن دکھا دیا۔ جبکہ میں نے لائل پور کے ضلع کے ایک
چھوٹے سے گاؤں مینا لوالہ میں گئی ریلوے سٹیشن
کے پاس ہے۔ یہ پڑھا۔ کہ آپ مشرف بہ اسلام ہو گئے
اور لدھیانہ میں تشریف فرما ہیں۔ میں اپنے گھر گھاٹ کو
چھوڑ کر سالہا سال سے مینا لوالہ میں اپنا کاروبار
کرتا تھا۔ مگر جب میں نے یہ سنا۔ کہ آپ لدھیانہ میں آ
گئے ہیں۔ تو میں نے یہ پختہ فیصلہ کر لیا۔ کہ مجھے بھی
لدھیانہ چلے جانا چاہیئے۔ اور جس طرح ہو آپ سے
ملنا چاہیئے۔ اور آپ پر اس بات کا اظہار کرنا چاہیئے

کر میں آپ کے متعلق شادی کی اپنی دیرینہ آرزو کو
پورا کرنا چاہتا ہوں ۔ چنانچہ اسی خیال کو لیکر میں چوہدری
رحمت خان صاحب کیساتھ آپ سے ملنے کیلئے آیا۔ اور
شادی کا ذکر بھی چھیڑا ۔ اگرچہ میں نے اشارۃً برادری
کا لفظ تو کہہ دیا تھا۔ لیکن میں نے اس کو کھول کر آپ
پر بیان نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد مجھے کئی دفعہ پھر بھی
آپ سے ملنے کا موقعہ ملا۔ مگر شادی کے مضمون پر کوئی
بات چیت نہ ہوئی۔ رحمت کی ماں نے کہا۔ کہ بابو جی کو
کھانے کی دعوت دی جائے۔ آپ نے بصد مشکل دعوت مان
تو لی۔ مگر خدا معلوم آپ نے اس گھر سے باہر نکلنے کی
کیوں جلدی کی۔ میں نے پھر کئی دفعہ کوشش کی۔ کہ
آپ کو اپنے گھر لے جاؤں۔ اور آپ سے کچھ بات چیت
کی جائے۔ مگر آپ نے اس طرف توجہ نہ دی۔ میں
نے آپ کی توجہ اس طرف پھرنے کیلئے مکان کا مضمون
شروع کر دیا۔ تاکہ اس حیلہ سے مجھے آپ کے ساتھ گفتگو
کا موقعہ ملے۔ مگر باوجود کوشش کے آپ نے مجھے کوئی
موقعہ نہ دیا۔ آخر میں نے اور رحمت کی والدہ نے یہ
فیصلہ کیا۔ کہ شرع میں شرم کی ضرورت نہیں۔ کیوں نہ
آپ سے کھول کر بات چیت کی جائے۔ اس فیصلہ کو لیکر
میں آج آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اور میں صاف
الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میری دو لڑکیاں ہیں۔ آپ

ان میں سے جس کو پسند کریں۔ میں اس کو آپ کی
زوجیت میں دینے کو تیار ہوں۔ صرف آپ کی ہاں کی
ضرورت ہے۔ رحمت کے ابا کی یہ تقریر میرے لیے ایک
بم سے کم نہ تھی۔ میں شل ہو گیا۔ میں اپنے آپ میں
کھویا گیا۔ مجھے معلوم نہ ہوتا تھا۔ کہ میں زمین پر ہوں
یا آسمان پر یا ہوا میں معلق ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا
کہ قدرت نے آن واحد میں المورہ سے لیکر اس وقت
کا سارا نقشہ نہایت جلی حروف میں میرے سامنے کھول
کر رکھ دیا۔ سینما کی ریل کی طرح اس کے تمام سین
میرے سامنے آنے لگے۔ اور ایک ہی چہرہ دو ناموں
کے ساتھ میرے سامنے بجلی کی سی تیزی کیساتھ کھلتا
اور بند ہوتا تھا۔ "سروج" "انوار" "سروج" "انوار"۔
"سروج"۔ "انوار"۔ جب میں نے اس جانے پہچانے چہرہ
کو اپنی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ تو میری دونوں
آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے شروع ہو گئے
رحمت کے ابا نے جب دیکھا۔ کہ مجھ پر اس گفتگو
کا خاص اثر ہوا ہے۔ تو وہ چپکے سے اٹھ کر چلے
گئے۔ ان کے جانے کے ساتھ ہی یہ دو نام کا
ایک ہی چہرہ میرے سامنے نمودار ہو غائب ہو گیا
میں نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ اور رومال اپنی
آنکھوں پر ڈال لیا۔ میری زندگی میں کشمکش کا

یہ نیا باب تھا - میاں کہتا ہے - کہ اس کی دو لڑکیاں ہیں - ان دو لڑکیوں میں سے ان کا اشارہ کس کی طرف تھا - ایک تو وہ لڑکی تھی - جسکو میں نے دعوت کے روز میاں کے گھر میں برتن صاف کرتے دیکھا تھا - اس کا رنگ گندمی تھا - اس کی عمر بھی بہت چھوٹی تھی - اس کا چہرہ - اور اس کے خد و خال کسی صورت میں بھی سروج سے نہیں ملتے تھے - یہ لڑکی تو وہ نہیں ہو سکتی - تو پھر دوسری لڑکی کون سی ہو سکتی ہے - کیا وہ لڑکی تو نہیں ہو سکتی - جس نے اپنے یاقوتی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا - اور مجھے اس عذاب میں مبتلا کر دیا تھا - جس سے مخلصی پانے کے لئے مجھے اس قدر توبہ - استغفار اور پشیمانی تائب کرنا پڑا تھا - کیا جب میں نے اپنا نامہ اعمال پڑھتے وقت اس پر سے ذرا سا پردہ کھسکایا تھا - اور اس ملفوف حصے پر "ناف جنک بچی پہ" لکھا دیکھا تھا - کیا یہ اسی حور کی طرف اشارہ تو نہیں تھا؟ کیا یہ جنت کی چڑیا حور کا جامہ اوڑھے قدرت نے اس لئے دنیا میں بھیجی ہے - تاکہ میں اس کے ذریعہ عالم ارواح کے اسرار میں سے ایک راز پر سے پردہ اٹھانے کا باعث بنوں؟ اگر سروج جو مر گئی تھی - یہی ہے

جیسا کہ میرا یقین اور عین الیقین ہے کہ سروج جو میری خاطر مرگئی تھی۔ اور جس نے اپنے آخری الفاظ میں کہا تھا۔ کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں آئیگی۔ اور کہ میں اس کو پہچان لونگا۔ یہی ہے۔ تو وہ لوٹ آ گئی۔ اور میں نے اس کو پہچان بھی لیا۔ تو اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں میاں کو کیا جواب دوں؟ میں نے اس غیبی طاقت کو جس نے ایسی ہر ایک مشکل میں میری رہنمائی کی۔ اور جس کی ہستی پر مجھے ایک سیکنڈ کے لئے بھی کبھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اپنی رہبری کے لئے پکارا۔ میں نے دیکھا۔ کہ روشنی نمودار ہوئی جس میں نقش و نگار سے مزین ایک بورڈ تھا۔ جو اپنے محور پر گھوم رہا تھا۔ اور اس پر باری باری یہ الفاظ چمکتے جاتے تھے۔ "نوشتہ تقدیر"۔ "تقدیر مبرم" میں نے اس نظارہ کو دیکھ کر نتیجہ نکالا۔ کہ عالم روحانیات کے آئین کے مطابق یہ نوشتہ تقدیر ہے۔ اور یہ تقدیر مبرم ہے۔ کہ میں میاں کی بات کا ہاں میں جواب دوں۔

(۱۵)

غیبی طاقت کے اس فیصلہ کو دیکھ کر مجھے اطمینان قلب حاصل ہو گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں پر سے رومال ہٹایا۔ اپنے آنسو پونچھے۔ مکان کی ادھر کی

منزل پر نظر دوڑائی - میں نے دیکھا - کہ گیان وتی
میں سے باغ کی طرف جھانک رہی ہے - اور اس کی
نگاہ مجھ پر ہے - میں نے اس کو نیچے آنے کا اشارہ
کیا - وہ مسکراتی ہوئی نیچے اتری - اور باغیچہ میں آ
کر میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی - مجھے دیکھنے کے
ساتھ ہی کہنے لگی - کیوں آج پھر آسیب نظر آیا -
چہرہ اتنا کیوں اترا رہا ہے - میں نے کہا - میں
خود آسیب ہوں - مجھے اندیشہ ہے - کہیں مجھے دیکھ
کر آپ کا چہرہ نہ اتر جائے - اور آپ مجھ سے دور
بھاگ نہ نکل جائیں - گیان ہنس دی - کہنے لگی -
میں بھاگ کر جاؤنگی کہاں؟ میں تو یہی جانتی ہوں -
کہ تہائے سر - میرے خصم دے در - میں نے کہا - گیان
ایک بات بتاؤ - اگر وہ آسیب ہمارے گھر آ جائے
تو تم کیا کرو گی؟ اسنے ہنستے ہوئے کہا - میں نے کیا
کرنا ہے - آپ وید - قرآن - پوران سب پڑھے ہیں
اگر وہ آسیب ہمارے گھر آ جائے - تو آپ نے اس کو
وید کا منتر یا قرآن کی آیت پڑھ کر قابو کر لینا - میں
اسپر بے اختیار ہنس پڑا - اور کہا - جس طرح وید کا
منتر پڑھ کر تم کو قابو کر لیا - اسی طرح نہ؟ گیان نے کہا
ہاں! ہاں! اسی طرح - اسپر ہم دونوں میاں بیوی دیر
تک خوب ہنستے اور دلچسپ پر مذاق گفتگو کرتے رہے

بابِ یازدہم

چھٹی فصل

آزمائش

(۱)

میں نے یہ آزمائش کرنی تھی۔ کہ اگر میں میاں صاحب کے کہنے پر غور کرکے اس کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ ہو جاؤں۔ تو اس کا اثر گیان پر کیا پڑیگا۔ آیا وہ مخالفت کریگی۔ خاموش رہیگی یا موافقت کرے گی۔ آج جو اس کا ٹسٹ ہو گیا۔ تو اس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مخالفت نہیں کریگی۔ بلکہ حق میں رہیگی۔ میں نے اس کو نوٹ کر لیا۔ تیسرے دن جب میاں صاحب تشریف لائے اور انہوں نے سلام مسنون اور خیر و عافیت پوچھنے کے بعد وہی مضمون شروع کیا۔ تو میں نے ان سے کہا۔ آپ اپنی اور میری پوزیشن پر غور فرمائیں۔ آپ برادری کے سرکردہ ممبر ہیں۔ میں برادریوں کے تنگ دائروں پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ میں بنی نوع انسان کی وسیع برادری کا قائل ہوں۔ صرف اس شرط کے ساتھ کہ اس کے دو حصے مسلم اور

غیر مسلم ہیں۔ اس سے آگے جو لغو یت ہے۔ وہ پیدائش یا پیشہ کی بنا پر ہے۔ ہندو پیدائش کی بنا پر اور مسلم پیشہ کی بنا پر۔ بیاہ شادی کے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ میں پیدائش کے لحاظ سے آپ کی برادری کا ممبر ہوں۔ میں ایسے معاملات میں ان رسومات کا قائل نہیں۔ جن کی خلاف ورزی بعض اوقات برادری میں سر پھٹول اور بدمزگی کا باعث ہوتی ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ میں خود بھی رسومات بد کا قائل نہیں ہوں۔ مگر آپ کو اپنی رضامندی کے اظہار کیلئے کچھ تو نشانی دینی ہوگی۔ میں نے کہا۔ "آپ کیا نشانی چاہتے ہیں"۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ "لڑکی کیلئے ایک ململ کا ڈوپٹہ" میں نے اپنے بھتیجے کو آواز دی۔ اور اس کو روپیہ دیکر بازار بھیجا۔ کہ بزاز کے ہاں سے ۲۶ کی ململ کا ایک تھان لے آؤ۔ چنانچہ وہ بھاگا ہوا گیا۔ اور ململ کا ایک تھان لے آیا۔ میں نے تھان میاں صاحب کے حوالہ کیا۔ اور کہا۔ مجھے اپنی صاحبزادی کے ہاتھ کا ناپ کل کسی وقت دے جانا۔ مگر ناپ چوڑی کا ہو۔ دھاگا کا نہ ہو۔ میاں صاحب ململ کا تھان لے کر روانہ ہو گئے۔ گھر میں جا کر انہوں نے رحمت اور اس کی والدہ سے ذکر کیا۔ کہ ابتدا کر دی گئی ہے۔ اور یہ نشانی لایا ہوں۔ رحمت اور اس کی والدہ کو اس پر بہت خوشی ہوئی۔ ادھر میں اس رشتہ کے جملہ عواقب پر غور کر رہا تھا۔ کہ اس میں کہاں کہاں اور کیا کیا رکاوٹیں ہو سکتی ہیں۔ اور ان کا تدارک

بطورِ حفظِ ماتقدم کیا ہونا چاہیئے۔ دوسرے دن میاں صاحب حسبِ معمول اپنی صاحبزادی کے ہاتھ کا ناپ لیکر تشریف لائے۔ یہ ایک لوہے کا کڑا تھا۔ جیسا کہ بعض ویراگی لوگ پہنتے ہیں۔ میں اس کڑے کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ کہ کیا میاں صاحب کی صاحب زادی کے ہاتھ یا کلائی اتنے موٹے ہیں۔ یہ تو کسی پہلوان کی کلائی معلوم ہوتی ہے۔ مگر میں نے میاں صاحب سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے لوہے کے اس کڑے کو میز کی دراز میں رکھ دیا۔ میاں صاحب کے چلے جانے کے بعد میں سیدھا صرافوں کے بازار میں پہنچا۔ میرے ایک دوست تھے مسٹر ڈھانڈا۔ میں اکثر ان کی معرفت ہی زیور بنوایا کرتا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ مسٹر ڈھانڈا۔ اس ناپ کی سنہری چوڑیاں درکار ہیں۔ تین ایک طرف اور تین دوسری طرف۔ ناپ دیکھ لیجئے۔ لالہ صاحب نے لوہے کا کڑا دیکھا۔ اس کو ناپا۔ اور کہنے لگے۔ بابوجی! یہ تو زنانہ ناپ نہیں۔ آج تک اتنا بڑا زنانہ چوڑی کا ناپ میرے پاس تو کوئی نہیں آیا۔ ویسے آپ فرماتے ہیں۔ میں تیار کر دوں گا۔ شک تو مجھے بھی تھا۔ کہ یہ ناپ غلط معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر ڈھانڈا کے بیان نے میرے شک میں اضافہ کر دیا۔ میں نے کہا۔ اچھا ذرا ٹھہریئے میں تسلی کر لوں۔ چنانچہ میں واپس لوٹا۔ چونکہ اب معاملہ طے ہو چکا تھا۔ کہ میاں صاحب کی صاحب زادی بیوی نہیں۔ بلکہ میری منگیتر ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ میں میاں صاحب

کی آمد کی انتظاری کرتا۔ میں یہ لوہے کا کڑا لیکر نیم کے چوک
میں آیا۔ وہاں ایک چوڑی فروش حسینی عورت چوڑیوں کی
دکان کرتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ حسینی ذرا دیکھو تو! یہ
لوہے کا کڑا کس عمر کی عورت کے ناپ کا ہے۔ حسینی نے کڑے
کو دیکھا۔ اور کہنے لگی۔ یہ ناپ تو کسی موٹی سے موٹی عورت
کا بھی نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا۔ اچھا تم مجھے ایک سولہ سترہ
سال کی لڑکی کے ہاتھ کے ناپ کی چوڑی دیدو۔ حسینی نے
مجھے ایک چوڑی دی۔ اور کہا۔ سولہ سترہ سال کی لڑکی کا تو
یہ ناپ ہو سکتا ہے۔ میں نے حسینی سے وہ چوڑی لی۔ اور
سیدھا میاں صاحب کے مکان پر پہنچا۔ اتنے عرصہ کے بعد مجھے
دیکھ کر رحمت کی والدہ بہت خوش ہوئی۔ میں نے میاں اور
رحمت کی والدہ سے کہا۔ کہ آپ نے جو ناپ دیا ہے۔ وہ
غلط معلوم ہوتا ہے۔ صحیح ناپ یہ ہے۔ جو میں لایا ہوں۔
ذرا اپنی صاحب زادی کے ہاتھ میں پہنا کر دیکھ
لیجئے! کہ ٹھیک ہے۔ یا نہیں۔ میں بھی صحن کے ایک کونے
میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کہ آخر یہ صاحب زادی ہے کونسی جس
کی کلائی کا ناپ یہ لوہے کا کڑا دیا گیا ہے۔ چھوٹی لڑکی
جس کو میں نے پہلے مکان میں برتن صاف کرتے دیکھا تھا
وہ تو بدستور ایک طرف برہنہ منہ چرخہ کات رہی تھی۔ مگر
یہ دوسری صاحب زادی صحن کے آخری سرے پر بیٹھی ریشم
کات رہی تھی۔ رحمت کی ماں نے آگے بڑھ کر کہا۔ فاطمہ! ذرا

ذرا یہ چوڑی پہن کر دیکھو۔ ٹھیک آتی ہے یا نہیں۔ فاطمہ نے جب پہلے کی طرح اپنی شرمگیں آنکھوں اور سرخ گلاب کی پتیوں جیسے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ چوڑی لینے کے لئے چینی کی سی گڑیا جیسا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ تو مجھے ایسا محسوس ہوا۔ کہ جنت کی حوروں نے مبارکباد کا ترانہ گایا۔ ادھر میرے دل کی اب وہ حالت نہیں تھی جو پہلے ہوئی تھی۔ میرا دل اب تشکر و اطمینان کے جذبات سے لبریز تھا۔ اور غیبی طاقت کی طرف سے یہ صدا اٹھ رہا تھا

"جہاد بالنفس کا صلہ"

آج مجھے یہ بھی پتہ لگ گیا۔ کہ میاں صاحب کی صاحبزادی کا نام فاطمہ ہے۔ مگر قدرت کے اس کرشمہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جو میں نے سروج اور انوار کی شکل میں دیکھا تھا۔ میں نے اپنے لوح قلب پر "انوار فاطمہ" کا نام مرتسم کر لیا۔ اور میں انوار فاطمہ کے مرمریں ہاتھ کا یہ ناپ لے کر مسٹر ڈھانڈا کی دکان پر پہنچا۔ اور اس سے کہا۔ یہ لیجئے صحیح ناپ۔ لالہ جی نے چوڑی کو دیکھا اور کہا۔ ہاں یہ ناپ بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے کہا۔ چوڑیوں کی گھڑت ریشمین ہوگی۔ اس ناپ کے مطابق ان کی جو موٹائی رکھنی ہو۔ رکھ لیجئے اس کے ساتھ ہی دو سونے کی انگوٹھیاں جو اس ناپ کے مطابق ہوں اور ایک جوڑی نہایت خوبصورت طلائی کانٹے

تیار کر کے ۵ دن کے اندر مجھے دیدینا - یہ لیجئے روپیہ - باقی
کا بل تیاری پر پیش کرنا - (۲)
پانچ دن کے بعد جب یہ تمام زیورات ڈبیوں میں تیار ہو کر
آ گئے - تو میں نے ان کو میز کی دراز میں رکھ کر قفل لگا
دیا - جب دوسرے دن میاں صاحب تشریف لائے - تو
میں نے ان کی خدمت میں یہ زیورات پیش کر کے کہا - ململ
کا تھان بھی نشانی تھی - یہ بھی نشانی میں آپ کی خدمت
میں پیش کرتا ہوں - آپ میری طرف سے اپنی صاحبزادی کو
میرا سلام دیجئے - اور یہ تحفہ میری طرف سے ان کی خدمت
میں پیش کر دیجئے - میاں صاحب ان زیورات کو دیکھ کر
کچھ حیران سے ہو گئے - کہنے لگے - کہ برادری کا دستور تو
دو ڈھائی روپیہ کا ہے - یعنی گڑ کی بھیلی کے ساتھ سوا روپیہ
پیش کیا جاتا ہے - اور بات پختہ ہو جاتی ہے - میں نے کہا
کہ میں پہلے ہی آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں - کہ
میں برادری کی رسومات کا قائل و پابند نہیں ہوں - میں نے
وہی کیا ہے - جو میں نے مناسب سمجھا ہے - اور آئندہ بھی
وہی کرونگا - جو مناسب سمجھونگا - میاں صاحب نے گھر جا کر
یہ زیورات رضیہ کی والدہ کو دکھائے - وہ بھی حیران
ہو کر کہنے لگی - کہ منگنی یا سگائی کے موقع پر برادری میں
طلائی زیورات کون دیتا ہے - منگنیاں ہوتی ہیں - اور وہ
ٹوٹ جاتی ہیں - آپس میں کافی فضیحتی ہوتی ہے -

مگر یہاں نہ کوئی رسم تھی ۔ نہ نمائش ۔ میرے دل کی جو کیفیت تھی۔ وہ میں جانتا تھا ۔ مگر انوار کے دل کی جو کیفیت تھی ۔ اس کا پتہ مجھے اس وقت نہیں لگ سکتا تھا کیونکہ اس پر ابھی پردہ پڑا ہوا تھا ۔ اس کا انکشاف تو اس وقت ہونا تھا ۔ جب انوار نے میرے گھر کو منور کرنا تھا ۔ اور میں نے اس کا کھوج نکالنا تھا ۔ کہ دیو کاری سرفراز نے میاں صاحب کے گھر میں آکر کب اور کہاں اور کیوں جنم لیا ۔ عالم روحانیات کا یہ اتنا بڑا راز تھا ۔ جس پر سے آخرکار پردہ اٹھنا تھا ۔ اس راز کے انکشاف کے لئے قدرت نے مجھے سولہ سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف ابتلاؤں ۔ دکھوں ۔ مصیبتوں کی آگ سے اس طرح نکالا ۔ جس طرح کہ سونے کو بھٹی میں ڈال کر اس کی تمام آلائش صاف کر دی جاتی ہے ۔ قدرت نے جب دیکھا ۔ کہ اب ذرا بھر بھی میل باقی نہیں رہا ۔ اور کہ اس سے زیادہ اب سونے کو تپانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اور کہ اب وہ بالکل کندن بن چکا ہے ۔ تو اس نے بطور نوشتہ تقدیر یا تقدیر مبرم اس کو دنیا پر ظاہر کر دینا ضروری سمجھا ۔ حسب عادت دوسرے دن میاں صاحب تشریف لائے ۔ تو میں نے ان سے سلام مسنون اور خیر و عافیت کے بعد پوچھا ۔ فرمائیے میاں صاحب ! آپ کی صاحبزادی اور رحمت کی والدہ نے زیورات کو پسند فرمایا ۔ ان میں

کوئی نقص تو نہیں تھا۔ چوڑیاں ٹھیک ناپ کی تھیں؟ میاں صاحب نے کہا۔ کوئی نقص نہیں تھا۔ سب نے زیورات کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا۔ مگر میں اب ایک ضروری گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا۔ فرمایئے۔ میاں صاحب نے کہنا شروع کیا۔ ایسے معاملات میں جو شادی غمی سے تعلق رکھتے ہیں عزیز و اقارب کو شامل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے۔ کہ آپ اپنے بھائیوں اور اپنی ہمشیرہ صاحبہ کو مشورہ میں لے لیں۔ کیونکہ اپنا سر آپ نہیں مونڈا جاتا۔ میں فوراً سمجھ گیا۔ کہ میاں صاحب کے مشورہ پر اگر میں عمل کروں گا۔ تو اس کا نتیجہ کیا نکلیگا۔ میں نے کہا۔ سر مونڈنے کے متعلق تو یہ عرض ہے۔ کہ میں داڑھی تک بھی خود مونڈ لیتا ہوں۔ حجام کو نہیں بلاتا ہوں۔ کیونکہ حجام بعض اوقات اپنے خراب استرے سے ایسے زخم لگا دیتا ہے۔ جو بعد میں ناسور بن جاتے ہیں۔ عزیز و اقارب کے متعلق تو آپ کو علم ہے۔ کہ وہ کیا چاہتے تھے۔ اور اب بھی کیا چاہتے ہیں۔ میں اپنے کسی بھائی۔ بہن سے بھی اس معاملہ میں ہرگز مشورہ نہیں لوں گا۔ میں بالغ ہوں۔ اور فعل مختار ہوں۔ آپ صرف اتنا خیال رکھیں۔ کہ میں نے اس وقت تک جو کچھ کیا۔ یا کر رہا ہوں وہ صحیح ہے۔ یا غلط۔ اگر درست ہے۔ تو میرا ساتھ دیجئے اگر غلط ہے۔ تو میری غلطی کا انکشاف کیجئے۔

میری بات کو سنکر میاں صاحب نے دوسرا سوال کیا۔
اچھا اگر آپ اپنے عزیز و اقارب کو شامل نہیں کرنا چاہتے۔
تو کیا آپ مناسب سمجھینگے کہ ہم اپنے عزیزوں کو شامل
کریں۔ یہ ایک ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے پوچھا۔ آپ
کے عزیزوں میں سے یہاں کون ہے؟ میاں صاحب نے
فرمایا۔ یہاں تو صرف ہماری بوا ہے۔ آپ جانتے ہیں
بوا حاجن کو۔ میں نے کہا۔ ہاں میں بوا حاجن کو جانتا
ہوں۔ وہ حاجن ہیں۔ نمازن ہیں۔ میرے ہاں اکثر آتی
جاتی ہیں۔ بڑی نیک ہیں۔ ملنسار ہیں۔ آپ ان سے بات
کیجیئے۔ مگر ان کے پاس میرا نام ہرگز نہ لینا۔ صرف اپنی
صاحبزادی کے متعلق اتنا ذکر کرنا۔ کہ بوا لڑکی جوان ہو
گئی ہے۔ اِس کا کچھ فکر کیجیئے۔ حاجن بوا جو جواب دے۔
وہ مجھے بتا دینا۔ میاں صاحب نے میرے مشورہ کو پسند
فرمایا۔ چنانچہ جب بوا حاجن میاں صاحب کے ہاں گئی۔ اور
میاں صاحب نے بوا سے اپنی صاحبزادی کی شادی کے متعلق
ذکر کیا۔ تو بوا بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔ میں تو پہلے ہی
اِس کی فکر میں ہوں۔ میاں نے کہا۔ تو پھر کوئی لڑکا زیر
نظر ہے یا نہیں۔ بوا نے کہا۔ کیوں نہیں۔ میاں نے پوچھا
کونسا لڑکا ہے۔ بوا حاجن نے کہا۔ تو فرزند کو نہیں
جانتا۔ میاں نے پوچھا۔ کونسا فرزند؟ بوا نے کہا۔ دیکھا نہ
جس کے باپ کا یہ نام ہے۔ میاں نے پوچھا۔ وہ کیا کام کرتا ہے؟

بُوا نے کہا۔ بڑا محنتی لڑکا ہے۔ محنت مزدوری کرتا ہے۔ بڑا نیک ہے۔ گبرو ہے۔ میاں نے پوچھا۔ اس کا جھونپڑا بھی ہے۔ یا کرایہ کے مکان میں رہتا ہے؟ بُوا نے کہا۔ اِن باتوں میں جانے کا کیا فائدہ۔ ساری دنیا جھونپڑوں والی تو نہیں۔ خدا کے بے شمار بندے کرایہ کے مکانوں میں دن کٹی کر رہے ہیں۔ میاں صاحب نے کہا۔ اچھا۔ ہم اس پر غور کرینگے۔ بُوا صاحبہ چلی گئی۔ دوسرے دن وہ ایک مددگار کے ساتھ پھر آئی۔ دونوں نے اس بات پر زور ڈالا کہ روڑہ روپیہ چھوڑا جائے اور بات پختہ ہوجائے۔ تو اچھا ہے۔ ایسا لڑکا ہاتھ سے نکل جائے۔ تو بہت برا ہوگا۔ یہ باتیں رحمت کی والدہ کے ساتھ ہو رہی تھیں۔ مگر وہ ہوں ہاں کچھ نہیں کرتی تھی۔ بُوا صاحبہ نے کہا۔ مریاں (مریم) تو ہاں کر۔ مریم (رحمت کی والدہ) نے کہا۔ میں کیا ہاں کردوں جب لڑکی کا باپ موجود ہے۔ تو اس سے پوچھنا چاہئے۔ بُوا نے کہا۔ اس سے کیا پوچھنا ہے۔ اس نے تو آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ صاحبہ کی ساتھن نے کہا۔ بُوا ٹھیک کہتی ہے۔ لڑکی اتنی بڑی ہوگئی۔ اور میاں صاحب کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ وہ تو سو رہا ہے۔ عورتوں کی بات تھی۔ بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی۔ میاں صاحب اندر بیٹھے یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ جب معاملہ نے طول پکڑا۔ تو وہ رہ نہ سکے۔ باہر آئے اور بُوا اور اسکی

سا کفن سے کہا۔ " یہ تم نے کیا سوانگ سنانے شروع کر رکھے ہیں۔ نکلو یہاں سے۔ حاجن بوّا نے جب دیکھا۔ کہ میاں کا پارہ چڑھ رہا ہے۔ تو وہ بھی تیز ہو گئی۔ وہ چونکہ اپنے آپکو بڑی جگت سمجھتی تھی۔ اس لئے اس نے مناسب جانا۔ کہ تجاوز کرتے ہوئے میاں کو خوب سنائیں۔ میاں صاحب کب تک برداشت کرتے۔ آخر وہ بھی تیز ہو گئے۔ آپس میں تھکا فضیحتی جب حد سے بڑھ گئی۔ تو رحمت کی والدہ نے دونوں کو سمجھایا۔ کہ معاملہ گھریلو ہے۔ اسپر کسی کو تیز ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسپر بوّا اور اسکی مددگار دونوں ہی میدان چھوڑ گئیں۔ اور پالا میاں صاحب کے ہاتھ رہا۔

(۳۱)

بوّا حاجن میاں صاحب کے پاس سے اٹھ کر سیدھی میرے پاس آئی۔ وہ غصہ سے بھری ہوئی تھی۔ مجھے مخاطب کرکے بولی۔ "دھرمپال اس کوڑھی ہونے دی کرتوت دیکھی" ۔ بوّا حاجن مجھے ابھی تک دھرمپال ہی کہتی تھی۔ میں نے کہا۔ بوّا کیا ہوا بوّا نے میاں صاحب کا نام لیکر کہا۔ اس کوڑھی ہونے نے مجھے سوانگی دکھائی۔ میں نے پوچھا۔ آخر یہ معاملہ کیا تھا؟ بوّا نے تمام قصہ سنا کر مجھ سے سوال کیا۔ دھرمپال تو ہی بتا۔ کیا میں نے اس کو کوئی برا مشورہ دیا تھا؟ میں نے کہا۔ بوّا آجکل کسی کے نیک مشورہ کو کون سنتا ہے۔ میں تو اسی لئے کسی کو مشورہ نہیں دیتا۔ برادری کے جھگڑوں سے الگ رہتا ہوں۔

مجھے یہ بھی خیال تھا۔ اگر گیان نیچے اتر آئی۔ تو کہیں میرے
گھر میں بھی جھگڑا نہ پڑ جائے۔ میں نے بوا سے کہا۔ اچھا
بوا۔ میاں صاحب کو سمجھاؤں گا۔ اس وقت تو مجھے فرصت نہیں
میں پرچے کے لئے مضمون لکھ رہا ہوں۔ پھر کبھی بات کریں گے
چنانچہ بوا چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد گیان نیچے اتری۔
پوچھنے لگی۔ یہ عورت کون تھی؟ میں نے کہا۔ تم جانتی تو ہو
یہ بوا حاجن تھی۔ گیان نے پوچھا۔ کیوں آئی تھی؟ میں نے کہا
بوا انگسٹھ جا کر خانہ کعبہ کا حج تو کر آئی ہے۔ اب وہ میاں
صاحب کے گھر کا حج اور طواف کرنے گئی تھی۔ مگر وہاں کسی بات
پر جھگڑا ہو گیا۔ وہی سنانے آئی تھی۔ گیان نے پوچھا۔
جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟ میں نے کہا۔ کوئی پرائیویٹ معاملہ
تھا۔ گیان نے پوچھا۔ پرائیویٹ معاملہ کیا تھا؟ میں نے کہا۔ توبہ
یہ تمہاری وکیلوں کی سی جرح ختم بھی ہوگی یا نہیں۔ کہہ جو دیا۔
کہ کوئی پرائیویٹ معاملہ تھا۔ گیان نے کہا۔ میں بھی تو یہی پوچھتی
ہوں۔ وہ پرائیویٹ معاملہ کیا تھا؟ میں نے کہا۔ اچھا۔ ذرا
کان ادھر کرو۔ کان میں بتا دوں۔ کہ معاملہ کیا تھا۔ چنانچہ گیان
نے مسکراتے ہوئے کان میرے منہ کے نزدیک کر دیا۔ میں نے
"......" بس اتنا سا ہی معاملہ تھا۔ حاجن بوا میاں کے
گھر میں اس طرح کسی بچی کا منہ چومنا چاہتی تھی۔ میاں نے
کہا۔ میں اپنی بچی کا منہ چومنے نہیں دو   گیان اپنے رخسار
پر ہاتھ پھیرتی ہوئی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ میں نے کہا

دیکھا - تمہیں لینے کے دینے پڑ گئے - اب اور سوال کرو -
تمہیں دوسرے گال پر بھی ہاتھ پھیرنا پڑیگا - کیونکہ لکھا
ہے - اگر تیرا خاوند تیرے دائیں گال پر بوسہ دے - تو
بایاں گال بھی اس کی طرف کر دے - کیونکہ میں تم سے سچ کہتا
ہوں - خاوند کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا - بیوی کو گناہوں
سے پاک کر دیتا ہے" اس پر گیان بے تحاشا ہنستی ہوئی بولی -
انجیل میں تو تھپڑ مارنا لکھا ہے - میں نے کہا - اچھا - تو پھر
گال ادھر کرو - ذرا تھپڑ ہی مار دوں - گیان نے تو ہنسنا ہی
تھا - میں نے بھی خوب قہقہہ لگایا - اور گیان سے کہا - لو
اب تم مجھے مضمون لکھنے دو - جاؤ - میرے لیے چاء تیار کر کے
لاؤ - چنانچہ گیان چاء تیار کرنے چلی گئی - اور میں لکھنے لگ
گیا -

(۴)

ابھی میں نے مضمون ختم نہیں کیا تھا - کہ خلاف معمول میاں صاحب
آ گئے - سلام مسنون کے بعد فرمایا - آج تو بہت برا ہوا؟ میں
نے کہا - کیا ہوا؟ اس پر میاں صاحب نے بوا حاجن کا سارا واقعہ
سنایا - میں سن تو پہلے بھی چکا تھا - مگر میاں صاحب کی زبانی
سنکر حاجن بوا کی تصدیق ہو گئی - میں نے میاں صاحب سے کہا
آپ نے دیکھ لیا - برادری سے عزیز و اقارب کی حالت - اسی
لئے میں نے آپ سے عرض کر دیا تھا - کہ میں اپنے معاملہ میں
اپنے عزیز و اقارب کو کوئی التفات پسند نہیں کرتا - میں بالغ ہوں
عقل رکھتا ہوں - آپ اپنی صاحب زادی کے والد ماجد ہیں

اور اپنے خانگی معاملات میں مختار رہیں - جس خوبی اور خوب
صورتی کے ساتھ ہم اپنے معاملات کو طے کر سکتے ہیں - دوسرا
کوئی نہیں کر سکتا - میاں صاحب نے کچھ تو بوا حاجن کے رویہ کو
دیکھ کر اور کچھ میرے سمجھانے سے فیصلہ کر لیا - کہ آئندہ
وہ کسی دوسرے شخص کو اس معاملہ میں نہیں لینگے -
میاں صاحب کے دل میں بوا حاجن کے لیئے جو کدورت تھی - اس کو
دور کرنے کے لیئے میں نے بوا حاجن کی شکایت کا ذکر کیا -
میاں صاحب نے کہا - اسکی شکایت فضول ہے - وہ رحمت کی والدہ
کے ساتھ فضول تکرار اور طعن تشنیع کر رہی تھی - جس پر میں نے
اس سے کہا کہ یہ کیا سوہلے سنا رہی ہو - میں نے کہا - بوا تو کہتی
تھی - آپ نے اس کو سوہلی دکھائی - اسپر میاں صاحب خوب ہنسے -
کہنے لگے - اس نے سوہلے کو سوہلی سمجھا ہے اس کی کم فہمی تھی - اس
سوہلی اور سوہلے کے الفاظ پر میں بھی ہنس دیا - میں نے کہا - یہ
پنجابی زبان بھی عجیب ہے - پنجابی میں سوہلے سنانا کے معنی
ہیں - مذاق کرنا یا ٹھٹھیاں سنانا - سوہلی دکھانا کے معنی ہیں -
کسی کو جوت دکھانا - معلوم ہوتا ہے - بوا نے سوہلی کی ی کو مونث
اور سوہلے کی الف کو مذکر خیال کیا - یہ عادت ہمارے ایک ماسٹر
کو بھی تھی - وہ مجھے مولوی کی بجائے مولوا کہا کرتا تھا - اسکا خیال
تھا - کہ مولوی کی ی مونث کی ی ہے - اور مولوا کا الف مذکر
ہے - اسی طرح ہنسی مذاق کرتے ہوئے جب میاں صاحب جانے لگے - تو
میں نے ان سے کہا - اب کہ آپ آئیں - تو شہزادی کی ایک قمیض لیتے آئیں

باب یازدھم

ساتویں فصل

عمل

(۱)

دوسرے دن حسب معمول میاں صاحب تشریف لائے۔ مجھے انہوں نے کاغذ میں پڑا ہوا ایک کپڑا دیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ یہ ایک قمیض ہے۔ میں نے پوچھا۔ کیا یہ قمیض آپ کی صاحب زادی کی ہے۔ میاں صاحب نے کہا۔ ہاں۔ یہ فاطمہ کی قمیض ہے۔ میں نے پوچھا۔ یہ کب کی بنی ہے۔ کہیں بہت پرانی تو نہیں۔ اور اس لوہے کے کڑے کی سی تو نہیں۔ میاں صاحب نے کہا۔ وہ کڑا تو لڑکیوں نے بطور مذاق کے دیدیا تھا۔ مجھے اس کا علم بعد میں ہوا۔ یہ قمیص بہت پرانی نہیں۔ بلکہ اسی سال کی ہے۔ میں نے کہا۔ بہت ٹھیک ہے۔ قمیض کے ناپ ہی کو مدنظر رکھ کر درزی شلوار بھی تیار کر دیگا۔ میاں صاحب نے کہا۔ آپ سوٹ کیسا تیار کروائینگے؟ میں نے کہا۔ آپ کے خیال میں سوٹ کیسا ہونا

چاہیے۔ میاں صاحب نے کہا۔ میرے خیال میں تو سوٹ
ایسا ہونا چاہیے۔ جو صندوق میں بند رکھنے کے لیے
نہ بنایا جائے۔ بلکہ روزمرہ کے استعمال میں لایا جاسکے
میں نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ اچھا ہوا۔ آپ
نے اپنا خیال بھی ظاہر کر دیا۔ اور ہم دونوں اس
بات پر متفق ہو گئے۔ کہ یہ جو برادری میں زردوزی
وغیرہ کا رواج ہے۔ یہ چنداں مفید نہیں۔ میں نے
اس سے قبل اس برہمن زادی کیلئے بنارسی سوٹ بنا
کر دیکھ لیا۔ کہ اس نے اس کا سوائے پہلے دن کے پھر کبھی
استعمال نہیں کیا۔ اتنے میں قومی تحریک نے کھدر اور سودیشی
کا اعلان کر دیا۔ اور بدیشی کپڑوں کی ہولی منائی گئی۔ چنانچہ
وہ بنارسی سوٹ بھی غالباً آگ کی نذر کر دینا پڑا۔ میاں
صاحب نے کہا۔ دیکھیے تو کتنا نقصان ہوا۔ میں نے کہا
ہماری غلطیاں ہمیں عقلمند بناتی ہیں۔ بشرطیکہ ہم سمجھنا
چاہیں۔ میاں صاحب نے پوچھا۔ آپ کا برات کے متعلق
کیا خیال ہے۔ میں نے کہا۔ میری برات میں صرف چار
شخص ہونگے۔ اور بس۔ میاں صاحب ہنس پڑے۔ کہنے
لگے۔ اتنی مختصر برات۔ میں نے کہا۔ اگر آپ پسند فرمائیں
تو میں سو دو سو آدمی بھی بلا سکتا ہوں۔ مگر مشکل
یہ ہے۔ کہ میں یا آپ اس ہنگامے کو سنبھال نہیں سکیں
گے۔ میاں صاحب نے کہا۔ تو ہمیں کتنے براتیوں کا کھانا

تیار کرنا ہوگا۔ میں نے کہا۔ ایک کا بھی نہیں۔ میاں صاحب اس پر پھر ہنس دیئے۔ اور کہنے لگے۔ ایک کا بھی نہیں یہ کیوں؟ میں نے کہا۔ براتی بطور گواہ کے ہونگے۔ وہ تعلیم یافتہ جنٹلمین ہوں گے۔ ان کی خاطر تواضع میرے ذمہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہ میرے مدعو کردہ ہوں گے۔ آپ کو ضرورت نہیں ہوگی۔ کہ ان کے لیے حقہ تمباکو کا انتظام کریں۔ یا دو تین ٹوکرے اپلوں کے سلگا لیں۔ اور وہ کھانس کھانس کر دھوئیں اڑائیں۔ میاں صاحب ہنس دیئے۔ پھر پوچھنے لگے۔ کچھ باجہ گاجہ بھی ہوگا۔ میں نے کہا۔ آپ میرے والد مرحوم کو جانتے ہیں۔ اور میں آپ کے والد مرحوم سے واقف ہوں۔ کیا انہوں نے اپنے کسی لڑکے کی شادی پر باجہ بجوایا۔ میاں صاحب نے کہا ہرگز نہیں۔ میں نے کہا۔ شریعت نے یہ تو فرض کیا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان خفیہ یارانہ نہ ہو۔ اس لیے نکاح کا اعلان ضروری ہے۔ اس کا اعلان انڈیا بھر میں میری طرف سے ہو جائیگا۔ دوسرے دعوت ولیمہ سے سارے شہر کو پتہ لگ جائے گا۔ میاں صاحب نے پوچھا۔ جہیز کے متعلق فرمائیں۔ کہ ہم کیا کیا چیز تیار کروائیں۔ میں نے کہا۔ یہ اس وقت بتایا جائیگا۔ جب آپ صاحبزادی کو رخصت فرمائیں گے۔ اس پر میاں صاحب خوب ہنسے۔ کہنے لگے۔

کہ ہم اس وقت کھڑے پیر کیا کر سکیں گے۔ آخر
پلنگ پیڑا بھانڈا برتن لحاف تلائی تیار کرنے کیلئے
کچھ وقت تو ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا۔ تو کیا آپ
کا خیال ہے۔ میں زمین پر سوتا ہوں۔ یا برتنوں کی
بجائے ڈھاک کے ڈونے اور مٹی کے سکورے استعمال
کرتا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ کہ میرے گھر
میں بھانڈے برتن موجود ہیں۔ میرے مکان کے ہر
ایک کمرہ میں میز کرسی کے علاوہ ایک ایک نواری پلنگ
موجود ہے۔ مگر میں آپ سے جہیز مانگوں گا۔ لیکن
اس وقت جب آپکی صاحب زادی۔ آپ سے رخصت ہو کر
ڈولی میں بیٹھے نکلیگی۔ اور وہ جہیز بھی ایسا ہوگا۔ جو اس
کی ڈولی میں رکھا جا سکیگا۔ میاں صاحب نے حیرت سے
پوچھا۔ اچھا۔ تو مجھے اس کا ہی پتہ دیجئے۔ میں نے کہا
نہیں۔ اس وقت نہیں بتاؤں گا۔ بلکہ رخصتی کے وقت بتاؤں گا
میاں صاحب میری عادت سے واقف تھے۔ اس لئے
انہوں نے بطور تجسس اس پر زور دینا مناسب نہ سمجھا
اور ہنس کر رخصت ہو گئے۔ میں نے ان کے جانے کے
بعد میاں صاحب کی صاحب زادی کی قمیض کو دیکھا۔ یہ
قمیض میرے لئے نہایت پیاری اور قیمتی چیز تھی۔ میں
دفتر کو بند کر کے اپنے درزی کے پاس گیا۔ اس سے
کہا۔ دیکھو میاں اس قمیض کا ناپ لے لو۔ اور مجھے

بتاؤ گز عرض کا شربتی ایسی ایک درجن قمیضوں پر کتنا لگے
گا۔ درزی نے اسی وقت قمیض کا ناپ لے کر حساب
کر کے مجھے بتا دیا۔ میں نے کہا۔ اب اسی قد کے مطابق
ایک درجن لٹھے کی شلواروں پر کتنے گز لٹھا درکار ہوگا
درزی نے اسکا بھی اندازہ لگا کر مجھے بتا دیا۔ میں نے
میں ابھی آپ کے پاس کپڑا لے کر آتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے۔
کہ یہ قمیضیں اور شلواریں مجھے پرسوں اسی وقت دیدیں
درزی نے کہا۔ آپ پرسوں اسی وقت لے جائیں۔ میں نے
مطلوبہ کپڑا درزی کو لاکر دیدیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک
درجن درجہ اول کی ململ کے ڈوپٹے بیم والا چوک کے رنگریز
کو دیدئے۔ اور اسکو تاکید کردی کہ مختلف رنگوں میں رنگ
کر۔ ابرق لگا کر استری کر کے کل مجھے دیدینا۔ تیسرے دن
یہ تمام کپڑے تیار ہو کر میرے پاس آگئے۔ میاں صاحب
تشریف لائے۔ میں نے کہا۔ یہ لیجئے ایک درجن سوٹ آپ
کی صاحبزادی کے لئے تیار ہیں۔ یہ روزمرہ پہننے کے
لئے ہیں۔ میاں صاحب دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں
نے میری اس تجویز کی بے حد تعریف کی۔ میں نے کہا۔ ابھی
ایک چیز باقی ہے۔ اس کی تیاری میں کچھ زیادہ دن
لگینگے۔ میاں صاحب نے پوچھا۔ وہ کیا ہے؟ میں نے کہا۔ جب
وہ چیز تیار ہو کر آجائیگی۔ تو آپ کو دکھادی جائیگی۔
میں بازار سے آتے ہوئے۔ مسٹر ڈھانڈا امراؤ کو آرڈر دے

دے آیا تھا - کہ ایک طلائی نکلیس بالکل نئے ڈیزائن کا تیار کر دے - مسٹر ڈھانڈا نے کہا - کہ میں نے ایک نئے ڈیزائن کا نکلس یہاں کے سشن جج صاحب کے لئے تیار کیا ہے - آپ اس کو دیکھ لیں - اگر یہ ڈیزائن پسند ہو - تو میں تیار کروا دونگا - مسٹر ڈھانڈا نے مجھے وہ نکلس دکھایا - واقعی نہایت خوبصورت نئے ڈیزائن کا تھا - اس میں جھکاپن نہیں تھا - میں نے اس کو پسند کیا اور آرڈر دے دیا - مسٹر ڈھانڈا نے کہا - آپ کو کب چاہئے؟ میں نے کہا - جتنی جلدی آپ دے سکیں - مسٹر ڈھانڈا نے ایک ہفتہ کی مہلت مانگی - میں نے تاریخ نوٹ کر لی - اور کہا - ایک ہفتہ کے بعد یا تو آپ خود میرے مکان پر لے کر آجائیں - یا میں خود آکر لے جاؤنگا - مسٹر ڈھانڈا نے کہا - میں خود لیکر حاضر ہو جاؤنگا - میں نے کہا - آپ کا بہت بہت شکریہ - یہ روپیہ میرے حساب میں جمع کر لیجئے - باقی کا بل ساتھ لیتے آنا - یہ کہکر میں چلا آیا -

(۴)

"بس اتنا میں میاں صاحب کبھی کبھی میرے مکان پر آجاتے اور ہم مختلف مضامین پر تبادلہ خیال کرتے رہتے - ہماری پر حکیم میاں صاحب - رحمت کی والدہ - رحمت اور کسی قدر ان تک محدود تھی - میاں صاحب گھر میں رحمت کی والدہ کو مخاطب کرکے مگر دراصل اپنی صاحبزادی کو سنانے کے لئے

میری بے حد تعریف کرتے رہتے۔ کہ اپنی طرز کا واحد
شخص ہے۔ ہماری بڑی کتنی خوش قسمت ہے۔ جس کے لئے
خداوند کریم نے ایسے شخص کا انتخاب کیا۔ جس کی قابلیت
علمیت۔ دین داری۔ اور نیک چلنی کے لحاظ سے برادری
بھر میں ایک بھی شخص اس کی ٹکر کا نہیں۔ میاں صاحب
کا اپنی صاحبزادی کے کانوں تک میرے متعلق ان خیالات
کے پہنچانے کا واحد مقصد اپنی صاحبزادی کے دل میں
میرے لئے عزت و احترام اور محبت کے جذبات پیدا
کرنا تھا۔ اور یہ احسن طریقہ تھا۔ رحمت کی والدہ کبھی
کبھی کہہ دیتی۔ کہ یہ سب باتیں تو ٹھیک ہیں۔ مگر ابھی
تک ہمیں اس بات کا پتہ نہ لگا۔ کہ وہ ہم سے جہیز میں
کیا مانگیگا۔ خدانخواستہ اگر اس نے کوئی ایسی چیز
مانگ لی۔ جو ہم نہ دے سکیں۔ تو پھر کیا ہوگا؟ رحمت
کی والدہ کے اس وہم پر میاں صاحب بھی کہہ دیتے۔ کہ
اس کا خیال تو مجھے بھی ہے۔ مگر باوجود پوچھنے کے اس
نے جہیز سے متعلق مجھے کچھ پتہ نشان نہیں دیا۔ اور میں نے
بھی اس پر زیادہ زور دینا مناسب نہیں سمجھا۔ پتہ نہیں
وہ جہیز کیا مانگیگا۔ ایک دن رحمت کی والدہ کو مخاطب
کر کے میاں صاحب نے کہا۔ کہ اس نے مجھ سے جو کہا ہے
کہ وہ کالج کے لئے کوئی نئی چیز تیار کر رہا ہے۔ اس
کا بھی اس نے مجھے کچھ پتہ نہیں دیا۔ کہ وہ کیا چیز ہے؟

اس کی بعض باتیں کچھ معمّا سی ہیں - مگر وہ جو کچھ
کہتا اور کرتا ہے - وہ ہوتا صحیح ہے - مسٹر ڈھانڈا سے
ساتھ جو تاریخ مقرر تھی - وہ اسی دن نکلیس لے کر
میرے ہاں پہنچ گئے - نکلیس ایک خوبصورت ڈبیا میں
بند تھا - کھول کر دیکھا - تو وہ اس نمونہ سے بھی زیادہ
خوبصورت تھا - جو مسٹر ڈھانڈا نے مجھے دکھایا تھا - مسٹر
ڈھانڈا کا بقایا بل ادا کرتے ہوئے میں نے انکا شکریہ
ادا کیا - اور وہ تشریف لے گئے - میں نے نکلس کو اپنی
میز کی دراز میں مقفل کردیا - دوسرے دن جب میاں
صاحب تشریف لائے - تو میں نے ان سے کہا - دیکھئے
میں آج آپ کو وہ چیز دکھاتا ہوں - جو میں نے آپ
کی صاحبزادی کے لئے تیار کروائی ہے - میں نے نکلس
میاں صاحب دکھایا - وہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے - کہنے
لگے - واقعی بالکل نئی چیز ہے - میں نے کہا - صراف کا یہ
بیان ہے - کہ لدھیانہ بھر میں یہ دوسرا نکلس ہے - اس
سے پہلے ایک نکلس سشن جج کے لئے تیار کیا گیا تھا - میاں
صاحب سشن جج کا نام سن کر مسکرائے - اور کہنے لگے
آپ کیا سشن جج سے کم ہیں - میں نے کہا - نہیں - نہیں -
بلکہ یوں کہئے - کہ آپ کی صاحبزادی کیا سشن جج کی
صاحبزادی سے کم ہے؟ میاں صاحب خوب ہنسے - اور کہنے لگے
تو آپ مجھے سشن جج بناتے ہیں - میں نے کہا اس سے بھی

زیادہ اور بہت کچھ زیادہ۔ آپ یہ نکلس رحمت کی والدہ
کو دکھا دیجئے۔ اور کہ دیجئے کہ یہ نکلس آپ کی صاحبزادی
کے گلے میں میری صاحبزادی کے ہاتھ سے اس وقت
ڈالا جائے گا۔ جبکہ آپ کی صاحبزادی اس گھر کی دہلیز
کے اندر قدم رکھیگی۔ تاکہ دونوں میں یہ پیار و محبت کی
نشانی ہو۔ میری اس تجویز کو سنکر میاں صاحب بہت
خوش ہوئے۔ وہ نکلس اپنے ساتھ لے گئے۔ تاکہ رحمت
کی والدہ کو دکھا اور مطلب سمجھا کر واپس دے جائیں
چنانچہ جب میاں صاحب اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ تو
رحمت کی والدہ تو ابھی کچھ کہنے بھی نہیں پائی تھی۔ کہ
صاحبزادی نے فوراً پوچھا۔ میاں! یہ کیا ہے؟ میاں
نے کہا۔ ذرا اندر چل کر دیکھو۔ رحمت کی والدہ نے جب
نکلس کو دیکھا۔ تو کہنے لگی۔ یہ تو بہت قیمتی چیز ہے۔ برادری
بھر میں کسی کے گھر ایسا نکلس نہیں ہوگا۔ میاں صاحب نے
کہا۔ اس کے ساتھ کا لدھیانہ میں ایک نکلس سشن جج
کی لڑکی کے لئے بنا ہے۔ دوسرا یہ ہماری لڑکی کے لئے بنا ہے۔
رحمت کی والدہ نے کہا۔ میں ایک دور اندیشی کی بات کہتی ہوں
برا نہ ماننا۔ ہم یہاں اجاڑ میں بیٹھے ہیں۔ ہمارے ارد
گرد ابھی چنداں آبادی بھی نہیں۔ نہ ہی چوکی پہرے کا
انتظام ہے۔ اتنی قیمتی چیز کا اپنے گھر میں رکھنا ٹھیک
نہیں۔ ایسا نہ ہو۔ نقصان ہو جائے۔ اور ہماری بدنامی ہو

اس لئے بہتر یہی ہے ۔ کہ یہ نکلس بابو جی کے پاس ہی رہنے دیا جائے ۔ جب فاطمہ شادی کے بعد ان کے گھر جائے تو وہ اس کو دیدیں ۔ میاں صاحب نے رحمت کی والدہ سے کہا ۔ تم ٹھیک کہتی ہو ۔ فیصلہ بھی یہی ہے ۔ کہ یہ نکلس بابو جی کے پاس رہیگا ۔ اور جب فاطمہ رخصتی کے بعد ان کے مکان کی دہلیز کے اندر قدم رکھیگی ۔ تو بابو جی کی صاحبزادی فاطمہ کے گلے میں یہ نکلس ڈالیگی ۔ دیکھو کتنی اچھی تجویز ہے ۔ کیا ہمارے خیال میں بھی یہ آ سکتا تھا ۔ فاطمہ کے خیر مقدم کا کتنا اچھا طریقہ سوچا ہے ۔ اس سے فاطمہ کے دل میں بابو جی کی صاحبزادی کے لئے محبت اور صاحبزادی کے دل میں فاطمہ کے لئے عزت و احترام کے جذبات پیدا کرنا ہے ۔ میں اسی لئے تو کہتا ہوں ۔ کہ وہ شخص جو بات بھی کرتا ہے ۔ بہت سوچ سمجھ کر کرتا ہے ۔ رحمت کی والدہ نے فاطمہ کو مخاطب کر کے کہا ۔ "فاطمہ ! سن رہی ہے ؟ دیکھ اس بچی سے اتنی محبت کرنا گویا کہ تیرے پیٹ کی جنی ہے" ۔ فاطمہ نے آنکھیں جھکا لیں ۔ جس کا مطلب یہ تھا ۔ کہ اس نے اپنی امی جان کی نصیحت کو پلے باندھ لیا ہے ۔ رحمت کی والدہ نے کہا ۔ اب تو صرف جہیز کی بات رہ گئی ۔ دیکھئے بابو جی کیا مانگتے ہیں ۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق میاں صاحب شام کو نکلس مجھے دے گئے ۔

(۴)

دوسرے دن صبح کو میاں صاحب تشریف لائے۔ کہنے لگے سب باتیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ اب تاریخ کا انتظار ہے میرا اور رحمت کی والدہ کا خیال ہے۔ کہ یہ کام جتنی جلدی سرے چڑھ جائے۔ اتنا ہی اچھا ہے۔ میں نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں کل آپ کو بتا سکوں گا۔ کہ کونسی تاریخ مناسب رہے گی۔ چنانچہ دوسرے دن باہر جانے کے پروگرام کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے میاں صاحب کو تاریخ دیدی۔ [illegible] یوم پنجشنبہ۔ ۹ شوال سنہ ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۲۔ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء وقت عصر مقرر کر دیا گیا۔ اس تاریخ اور وقت کی اطلاع میں نے اپنے چار دوستوں کو بھی دیدی۔ اور ان کو لکھ دیا۔ کہ تاریخ اور وقت مقررہ پر میرے مکان پر تشریف لا کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ میں نے میاں صاحب سے یہ طے کر لیا تھا۔ کہ نکاح کی رسم میرے مکان پر ہی ادا کی جائیگی۔ اور کہ میاں صاحب کو خود بھی میرے مکان پر تشریف لے آنا چاہئے۔ چنانچہ ۲۲۔ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء کو نماز عصر سے قبل میاں محمد عبد اللہ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل۔ لدھیانہ خواجہ فتح محمد صاحب انوری بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل لدھیانہ۔ خواجہ ماسٹر غلام محی الدین صاحب بی۔ اے۔ ایس ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ۔ خواجہ مسٹر

سعید الدین احمد صاحب - بی - اے - ہیڈ ماسٹر
گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ - میرے مکان پر تشریف
لے آئے - تھوڑی دیر بعد میاں صاحب اور رحمت بھی
آ گئے - نکاح نامہ کا فارم مطبوعہ تھا - اُسکی خانہ پوری
کی گئی - وکیل صاحبان نے سوال اٹھایا - کہ چونکہ
لڑکی کی عمر سولہ سال سے اوپر ہے - اور از روئے
قانون وہ بالغہ ہے - اس لئے اس کا بیان ہونا چاہئے
کہ وہ جناب غازی محمود صاحب کے ساتھ بہ رضا و رغبت
خود حسب قاعدہ شریعت اسلام نکاح کرنے پر راضی
ہے - چونکہ میاں صاحب کی صاحبزادی پردہ میں اپنی ماں
اور بہن کے ساتھ اپنے گھر پر تھی - اس لئے انکا بیان لینے
کی ڈیوٹی ماسٹر غلام محی الدین صاحب کے سپرد کی گئی
جو ان کا بیان لینے کے لئے میاں صاحب کے گھر پر گئے - صاحب
زادی کا بیان اثبات میں پاکر میرا بیان لیا گیا - اور شرعی
مہر مقرر کیا گیا - میاں صاحب نے انشاء ایجاب و قبول
کے بعد خطبہ نکاح پڑھا - اور نکاح نامہ پر گواہان عاقل
و بالغ کے دستخط ہو کر دعا مانگی گئی - پندرہ منٹ میں
یہ کارروائی ختم ہو گئی - مٹھائی اور فروٹ پارٹی کے بعد
مجلس برخواست ہو گئی - اور میں حسب پروگرام اسی روز
بذریعہ کلکتہ میل بارہ بنکی - لکھنو - ہردوئی - شاہجہانپور
کے تبلیغی دورہ پر روانہ ہو گیا -

باب یازدہم

آٹھویں فصل

رخصتی

(۱)

بارہ بنکی ہردوئی - شاہجہان پور میں ایک ہفتہ تک اپنے مشن پر تقریریں کرکے جب میں لدھیانہ واپس آیا۔ تو مجھے یہ خیال تھا۔ کہ اس دفعہ گھر میں داخل ہونے کے ساتھ ہی غالباً مجھے تبدیل شدہ فضا میں سانس لینا پڑیگا۔ چنانچہ میں نے ذرا تذبذب کی حالت میں گھر کے دروازہ سے اندر قدم رکھا۔ سب سے پہلی آواز جو میرے کان میں پڑی۔ وہ میری پیاری بچی وکٹوریہ منصورہ کی تھی۔ جو گھر کے باغیچہ میں اپنی امی جان کے ساتھ سبزی اور پھولوں کے دیکھنے میں مشغول تھی۔ وہ مجھے دیکھتے کے ساتھ ہی یہ کہتے ہوئے میری طرف دوڑی آئی۔ بی بی! ابا جی آ گئے۔ اپنی بچی کو اتنا خوش و خرم دیکھ کر مجھے اطمینان ہوگیا۔ کہ معاملہ ٹھیک ہے۔ مگر پھر بھی میں

ڈرتا ڈرتا ہوا آگے بڑھا۔ تاکہ دیکھوں۔ کہ اس کی امی
جان کا مزاج کیسا ہے۔ میں نے اپنے دماغ میں گیان
کا جو نقشہ بنا رکھا تھا۔ وہ مہاراجہ دشرتھ کی بیوی کیکئی
جیسا تھا۔ جس نے رامچندر جی کے یودراجہ بنائے جانے پر
تریا چلتر سے اپنی بہت بری حالت کر لی تھی۔ میں سوچ
رہا تھا۔ کہ بانو دیوی نے سونا ڈاہ میں آ کر اپنے بال
بکھیر رکھے ہونگے۔ وہ الٹی کھٹی چارپائی پر لیٹی ہوئی
سسکیاں لے رہی ہوگی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے نیلے
حلقے پڑے ہوئے ہوں گے۔ مارے بھوک کے وہ
سوکھ کر کانٹا ہو چکی ہوگی۔ اور مجھے بےشمار کوسنے اور
گالیاں دے رہی ہوگی۔ اور کہ جب میں گھر کے اندر
قدم رکھونگا۔ تو ممکن ہے۔ وہ میری صورت سے بھی
بیزار ہو کر دروازہ بند کر لے۔ مگر جب میری بچی نے
کہا۔ بی بی! اباجی آ گئے۔ تو گیان مارے خوشی کے میری
طرف بھاگی آئی۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس کے چہرے پر
کوئی ملال نہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے پہلا سوال مجھ
سے یہ کیا۔ اپنی سہیلی کو کہاں چھوڑ آئے۔ میں نے
اس کے اشارہ سے سمجھ لیا۔ اور مذاقاً کہا۔ میری سہیلی
تو یہ میرا سوٹ کیس اور ہلکا سا بستر ہے۔ جو میرے ساتھ
گیا تھا۔ اور میرے ساتھ ہی آ گیا۔ اگر اس کے علاوہ
کوئی اور سہیلی ہو۔ تو اس سوٹ کیس کو کھول کر دیکھ

لیں - شاید اس میں بھید ہو - گیان نے مسکراتے ہوئے کہا
مجھے تو کسی نے یہی کہا تھا - کہ نکاح کے بعد آپ اپنی بہنوں کو
اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں - اپنی بیوی کی اس عالی ظرفی
اور مذاق پسندی کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہو گیا - کہ گیان
اپنے وعدہ کی پکی ہے - اور وہ سوتیا ڈاہ کا شکار
نہیں ہوئی - میں نے مذاقاً کہا - کہ آپ نے میری بہنوں کو
دیکھا بھی تھا - یا یوں ہی سنی سنائی باتیں کر رہی ہو؟
گیان نے کہا - میں نے دیکھا تو نہیں - مگر سُن رہی ہوں
کہ بے حد خوبصورت ہے - میں نے کہا - تو کیا تم خوبصورت
نہیں ہو؟ گیان نے ہنستے ہوئے جواب دیا - "سوہنی دا کی
روپ چٹنا - جیہڑے ڈھار وچہ نہ ترکیہاں" اس کہاوت
کا اشارہ اس کی اپنی طرف تھا - یعنی جس عورت کے ہاں
اولاد نہ ہو - اس کی خوبصورتی کس کام کی" میں نے اس
کے اس اشارہ کو بہت محسوس کیا - کیونکہ وہ باوجود
علاج معالجہ کے اولاد نرینہ حاصل نہ کر سکی - اسی لئے وہ
بار بار اس بات پر زور دیتی تھی - کہ میں دوسری شادی
کر لوں - میں نے اس کے خیال کو دوسری طرف پھیرنے کے
لئے کہا - اچھا - میرا بستر ذرا کھول دو - اور میرے لئے
چاء تیار کرو - گیان اسی دم چاء تیار کرنے کے لئے چلی
گئی - اڑوسیوں - پڑوسیوں کو جب پتہ لگا - کہ میں آ گیا
ہوں - تو وہ مجھے مبارکباد دینے کے لئے آئے - بعض نے

تو یہاں تک کہ دیا - کہ آپ ہی مُون بھی کر آئے - اور ہمیں
مٹھائی تک نہ کھلائی - میں نے کہا - آپ کو دعوت ولیمہ میں
شرکت کرنی ہوگی - اور آپ کو زردہ اور پلاؤ خوب کھلایا
جائیگا - از راہ کرم اتنی مدد کیجئے - کہ محلہ کے چودھریوں سے
تین چار سو مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے اخراجات
کا تخمینہ بنیجئے - اور کل ہی یہ کام سرانجام پا جائے - چنانچہ
وہ حضرات چودھریوں کے پاس گئے - اور ان میں سے تین
چار کو میرے پاس لے آئے - دنیا بھر کی سیاست پر گفتگو ہوتی
ہوتی رہی - آخرکار چودھری صاحبان نے مجھے دعوت ولیمہ کا
بجٹ دیا - میں نے اسی وقت روپیہ ان کے سپرد کر کے
عرض کیا - کہ یہ کام آپ کو ہی نپٹانا ہوگا - چنانچہ دوسرے
دن انہوں نے زردہ اور پلاؤ کی دیگیں تیار کروا کر مختلف
برادریوں اور محلوں کے کئی سو اصحاب کو بڑی خوبی کے
ساتھ دعوت ولیمہ کھلا کر اس فرض یا سنت کو پورا کر دیا
جب مہمان رخصت ہو گئے - تو میاں صاحب نے مجھ سے پوچھا
کہ آپ ادھر کب آئینگے ؟ میں نے کہا - آج تو میں تھکا ماندہ
ہوں - کل حاضر خدمت ہو جاؤنگا - چنانچہ دوسرے دن جب
میاں صاحب نے مجھے کھانے پر بلایا - اور ہم کھانے سے فارغ
ہوئے - تو میاں صاحب نے پوچھا - رخصتی کے متعلق آپ کا کیا خیال
ہے - ہم لڑکی کو کب وداع کریں - میں نے کہا - جب آپ کی یا
والدہ صاحبہ کی مرضی ہو - رحمت کی والدہ نے جواب میری

بھی والدہ تھی۔ کہا۔ کہ ہم تو چاہتے ہیں۔ فاطمہ کو آج ہی رخصت کر دیں۔ میں نے کہا۔ تو پھر بہتر ہے۔ آپ آج عصر کے بعد ایک خوبصورت سا ڈولا منگوا رکھیں۔ میں عصر کے بعد آجاؤں گا۔ میرا مکان یہاں سے چار پانچ منٹ کا راستہ ہے۔ میں تو چاہتا تھا۔ کہ ہم پیدل ہی جاتے مگر اس ذرا سی بات کے لئے برادری کے دستور کے مطابق ڈولا منگوا لینا معیوب نہیں۔ یہ ہدایت دیکر میں چلا آیا عصر کے بعد جب میں میاں صاحب کے مکان پر گیا۔ تو باہر ایک خوبصورت ڈولا موجود تھا۔ کہار انتظاری کر رہے تھے گھر کے اندر عورتوں کا ہجوم تھا۔ اور بھانت بھانت کی باتیں ہو رہی تھیں۔ مگر اس بات کی سب کو ٹوہ تھی کہ دیکھیئے۔ غازی میاں جہیز کیا مانگتے ہیں۔ جب انکو پتہ لگا۔ کہ میں آگیا ہوں۔ تو ان سب کی توجہ میری طرف ہو گئی۔ میں نے میاں صاحب سے پوچھا۔ کیا اب تیاری ہے؟ میاں صاحب نے کہا۔ بالکل تیاری ہے۔ میں نے کہا۔ اچھا تو پہلے اپنی صاحبزادی کا جہیز ڈولے میں رکھئے۔ میاں صاحب نے کہا۔ جو ارشاد ہو۔ میں نے کہا۔ سب سے پہلے تو آپ اپنی صاحبزادی کے جہیز میں وہ چیز ڈولے میں رکھ دیں۔ جس سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں کوئی نہیں۔ اور وہ چیز ہے ہمارے خالق و مالک۔ حی و قیوم۔ قادر مطلق کا کلام پاک قرآن مجید۔ چنانچہ قرآن مجید گھر میں موجود تھا۔ جز سے

ادب کے ساتھ ڈولے میں رکھ دیا گیا۔ میں نے کہا۔ اب
دوسری چیز لائیں۔ اور وہ ہے نماز پڑھنے کے لئے مصلےّ
چنانچہ مصلے بھی گھر میں موجود تھا۔ وہ بھی ڈولے میں
رکھ دیا گیا۔ میں نے کہا۔ اب تیسری چیز جہیز میں دیجیے
وہ ہے۔ وضو کرنے کے لئے ایک لوٹا۔ چنانچہ لوٹا بھی
گھر میں موجود تھا۔ وہ بھی ڈولے میں رکھ دیا گیا۔
میں نے کہا۔ بس جہیز پورا ہوگیا۔ اب کسی چوتھی چیز کی
نہ ضرورت ہے۔ نہ گنجائش۔ اپنی صاحبزادی کو اس جہیز
کے ساتھ رخصت کر دیجیے۔ جہیز کے اس نظارہ کو
دیکھ کر تمام مستورات دم بخود تھیں۔ بعض خدا ترس
اور دین دار مستورات کے آنسو رواں تھے۔ اور الحمد
اللہ کی صدا آ رہی تھی۔ وہ میاں صاحب کی صاحبزادی کو خوش
قسمت سمجھتی تھیں۔ جسکو اتنا اچھا۔ نیک۔ خدا پرست۔ دیندار
خاوند ملا ہو۔ میاں صاحب کی صاحبزادی رسم کے مطابق اپنی سکھی
سہیلیوں سے گلے مل رہی تھی۔ اور ہلکی سی رونے کی آواز بھی
آ رہی تھی۔ رخصتی کے وقت عورتیں جو گیت گایا کرتی ہیں۔ اس
قسم کا کوئی گیت نہیں گایا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کیا دیکھتا
ہوں۔ کہ اپنی سکھی سہیلیوں کے جھرمٹ میں اپنی امی جان کے
کندھے پر اپنا سر رکھے سفید براق برقع اوڑھے جنت کی یہ
حور خراماں خراماں ڈولے میں بیٹھ گئی۔ کہاروں نے ڈولا
اٹھایا۔ اور پانچ منٹ میں میرے مکان کے دروازہ پر جا رکھا

والدہ صاحب بھی ڈولے کے ساتھ تھیں۔ پہلے میں نے نہایت
ادب و احترام کے ساتھ قرآن پاک کو جس کو جنت کی یہ
حور اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھی۔ اپنے ہاتھ میں
لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی جاء نماز اور وضو کرنے کا لوٹا
بھی ڈولے میں سے اتارا۔ والدہ نے اپنی صاحبزادی کو
سہارا دیکر ڈولے سے باہر اتار کر بسم اللہ کہتے ہوئے میرے
گھر کی دہلیز سے آگے تک رہنمائی کی۔ دوسری طرف میری
نہایت پیاری بچی نگلس ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ اس
نے فوراً آپا دلہن سلام کہکر نگلس اپنی دلہن کے گلے
میں ڈال دیا۔ آپا دلہن نے جیسا کہ اسکو سبق دیا گیا تھا
میری بچی کو اپنی بغل میں لیکر پیار کیا۔ میں نے دیکھا کہ
ایک طرف تو میری بچی کا چہرہ مارے خوشی کے گلاب کا
پھول بن رہا تھا۔ دوسری طرف اس کی دلہن اس پر اس
قدر لٹو ہو رہی تھی۔ گویا وہ اس گھر میں صرف اسی بچی
کی خاطر تشریف لائی ہے۔ اس بچی کے متعلق اس کو
جو تعلیم دی گئی تھی۔ اس نے اس پر امید سے بڑھ
کر عمل کیا۔ وہ اپنی والدہ کا ساتھ چھوڑ کر اس
بچی کو اپنی بغل میں لئے ہال میں جہاں مکلف فرش
بچھ رہا تھا۔ داخل ہوئی۔ اور اس بچی کے ساتھ
ایک گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھ گئی۔ باہر کہاروں کو
رخصت کر کے جب میں ہال کمرہ میں داخل ہوا۔ تو

میں جنت کی اِن دو چڑیاؤں کو ایک دوسرے سے
یوں چمٹے دیکھ کر بہت شاد ہوا - آپا داجی نے اپنا برقع
اتار دیا تھا - اور وہ گلابی رنگ کا ڈوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھی -
اس کی آنکھیں ابھی تک اسی طرح ہمارے سامنے جھکی ہوئی
تھیں - جیسے کہ ایک کنواری کنہیا کی آنکھیں جھک رہی
ہوں - میں نے دیکھا - کہ گلابی تر دوپٹہ جو کسی قدر اس کے
رخسار پر سے کھسک گیا تھا - وہ اس رخسار کی سرخی کے
سامنے شکست کھا چکا تھا - اور وہ اپنی مدد کے لئے ان
سنہری ستاروں کو جو اس حور کے کانوں میں اپنے سرخ نگینوں
کے ساتھ جگ مگ - جگ مگ - کر رہے تھے - بلا رہا تھا -
مگر وہ سنہری ستاروں کے سرخ نگینے بھی گلابی ڈوپٹے کی
مدد کرنے سے عاجز تھے - کیونکہ اس قدرتی سرخ گلاب کے
سامنے وہ پہلے ہی شکست کھا چکے تھے - والدہ صاحبہ اپنی
صاحبزادی کو ہال کمرہ میں بٹھا کر فی امان اللہ کہہ کر تشریف
لے گئیں - میں نے جا نماز بچھا دیا - خود وضو کیا - اور اپنی
بچی سے کہا - جاؤ - اپنی آپا داجی کو بھی وضو کرواؤ - جب وہ
وضو کر آئی - تو میں نے اس کو مخاطب کیا - نور نظر! ہمارا
پہلا فرض یہ ہے - کہ ہم اس قادر مطلق خدا کے سامنے اپنی
جبین نیاز کو جھکا دیں - اور دوگانہ شکرانہ بجا لائیں -
چنانچہ وہ میرے ساتھ مصلے پر کھڑی ہو گئی - اور ہم نے
قبلہ رو ہو کر دو رکعت نماز شکرانہ کی نیت باندھی - یہ

وہ نظارہ تھا۔ جس کے متعلق فارقلیط نے سولہ سال پہلے
یہ کہا تھا۔ اور حتمی وعدہ کیا تھا۔ کہ

تو اپنی ملکہ کے ساتھ
میرے سامنے سجدہ
ریز ہوگا۔ تو نے اپنے
شکوک کی وجہ سے میرے
قادر مطلق ہونے پر جو
پابندی لگا رکھی ہے
وہ ریزہ ریزہ ہوجائیگی
اور تو جان لیگا۔ کہ میں تیرا
اور صرف تیرا خدا ہی قادر
مطلق ہوں۔ میں ہی
روح الارواح ہوں۔
میں ہی نورالانوار ہوں
مجھے میری عزت کی قسم
ہے۔ کہ ایسا ہی ہوگا۔
اُٹھ۔ اور میرے نام پر
لڑ۔ فتح تیرے نام لکھی
جا چکی ہے۔ تو اسکو اپنی ملکہ
کے چہرہ پر پڑھیگا۔ جو
تیرے پاس آنیوالی ہے

ہم نے اپنے خالق و مالک کے سامنے رکوع و سجود کرتے ہوئے
دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ اور میں نے یہ دعا مانگی۔
"ربی۔ تو قادر مطلق ہے۔ تو نے زندگی اور
موت کو پیدا کیا۔ تاکہ تو دیکھے۔ کہ کون تیرے احکام
بجا لاتا ہے۔ تو اس پر قادر ہے۔ کہ موت سے
زندگی اور زندگی سے موت نکالے۔ تو اس پر بھی
قادر ہے۔ کہ تو اپنے مخلص بندوں کو زمین
اور آسمان پر یا خود ہمارے نفوس میں ایسی
آیات یا نشانات دکھائے۔ جن سے اطمینان
قلب حاصل ہو۔ اور ایمان عین الیقین۔ اور
حق الیقین کا درجہ حاصل کرے۔ تو اس پر
بھی قادر ہے۔ کہ تو اپنے مخلص بندوں پر ایسے
رازہائے سربستہ کا انکشاف کر دے۔ جس
سے عام لوگ بہرہ اندوز نہ ہو سکتے ہوں۔ اے
قادر مطلق۔ میں تیرا پرستار اور یہ تیری پرستارہ
ہم دونوں تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ تو اپنی
قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ہم پر عالم روحانیات
کا وہ راز آشکارا کر۔ جس کے جاننے کے لیے
تو نے سالہا سال تک اپنے اس پرستار کو آزمائش
کی بھٹی میں سے گذارا۔ تو اپنی اس کنیز پر بھی اپنا
جلال ظاہر کر۔ جیسا کہ تو نے اپنے اس پرستار پر ظاہر کیا۔ آمین"

جب میں نہایت خلوص اور صد تذلل سے خدا کے حضور میں یہ دعا مانگ رہا تھا۔ تو میں نے محسوس کیا۔ کہ ہم دونوں کو نفوس قدسیہ کے نورانی حلقہ نے گھیر لیا ہے۔ اور میں نے اس حلقہ میں سے "احسن" "احسن" کی صدا سنی۔ خود انوار نے بھی محسوس کیا۔ کہ وہ ایک روحانی ماحول میں داخل ہو رہی ہے۔ جو جسمانیات سے بہت بالاتر ہے۔ اس طرح ہم دونوں روح الارواح یا روح اعظم کے زیادہ نزدیک ہو گئے۔ وہ جو اس سے قبل محض فاطمہ تھی۔ وہ نور الانوار سے ایک امر کی حیثیت سے انوار فاطمہ یا محض انوار بن گئی۔ میرے اور انوار کے درمیان ایک روحانی کرنٹ جاری تھی۔ جو جسمانی نہیں تھی۔ بلکہ یزدانی تھی۔

دوگانہ شکرانہ اور دعا کے بعد میں انوار اور اپنی بچی کو ہال کمرہ میں بیٹھا چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ انوار نے اس بات کی انتظاری کئے بغیر کہ میری بیوی گیان دیوی محمودالنسا اس کے ملنے کے لئے اوپر کی منزل سے نیچے آئے۔ وہ خود میری بچی کو ساتھ لیکر گیان کے پاس اوپر کی منزل پر گئی اور جاتے کے ساتھ ہی گیان کو "بی بی جی! سلام" کہا۔ گیان نے دیکھا۔ کہ اس کے سامنے کوئی معمولی لڑکی نہیں بلکہ ہمہ صفت موصوف نہایت خوبصورت لڑکی کھڑی ہے۔ اس نے خندہ پیشانی سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ اور اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر کہا "تو میری پیاری چھوٹی بہن ہے"

بابِ دوازدہم

پہلی فصل

اَمرِ ربّی

(۱)

اتوار

اپنی چھوٹی بچی کو ہال کمرہ میں بٹھا اور آپس میں میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہوئے چھوڑ کر میں باہر چلا گیا۔ مشن احاطہ میں سے گزر کر سلیمان کے پل پر سے نیچے سبز گھاس میں سے ہوتا ہوا میں دریا کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں جن خیالات کا چکر چل رہا تھا۔ وہ شاید کبھی کسی ایسے نوجوان کے دل میں نہیں چلا ہوگا۔ جس کے گھر میں نہایت خوبصورت نئی نویلی دلہن حجلہ عروسی میں داخل ہونے کی منتظر بیٹھی ہو۔ اور وہ نوجوان اس کو بٹھا کر جنگل و دریا کی طرف چل دیا ہو اور اس خیال میں مستغرق ہو۔ کہ امر ربّی کیا ہے۔ اور

خدا نے اپنے کلام پاک میں کیوں اتنا ہی کہہ کر پردہ گرا دیا ہے۔ کہ روح امر ربی ہے۔ اور کہ اس کا علم انسان کو نہایت تھوڑا سا دیا گیا ہے۔ روح کے متعلق باقی کا علم خدا نے کیوں اور کس کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔ اگر روح اربعہ عناصر کے ملاپ کا کیمیائی فعل ہے۔ تو اربعہ عناصر کی تفریق و تشتت کے ساتھ ہی روح کا خاتمہ ہے۔ نہ اس کا حشر ہے۔ نہ نشر ہے نہ حساب ہے نہ کتاب ہے۔ نہ نیکی ہے نہ بدی۔ خلاء محض ہے۔ جس میں ہوا سرسراتی ہے۔ کبھی تیز و تند رہتی ہے۔ کبھی جامد و ساکن ہے۔ کبھی ہے کبھی نہیں ہے۔ کبھی مرئی ہے۔ کبھی غیر مرئی ہے۔ اگر یہی بات ہے۔ تو الست بربکم کے جواب میں "بلیٰ" کس نے کہا۔ کب کہا۔ کیوں کہا۔ یہ کہنے کی سوجھ بوجھ کس نے دی۔ کس کو دی۔ اور بلیٰ کہنے کے بعد کیا ہوا۔ کہنے والا یا کہنے والی روح کہاں گئی۔ کیوں خاموش ہو گئی۔ کیا وہ اس دنیا میں آئی۔ کیوں آئی۔ کیا محض دکھ سکھ اٹھانے کیلئے آئی۔ یا اس کے سوا کوئی خاص مقصد بھی تھا۔ وہ کیا تھا۔ آخر یہ دار المحن کس کے لئے اور کیوں بنایا گیا۔ اس کو مزرعۃ الآخرہ کیوں قرار دیا گیا۔ روح تو پہلے ہی عصفورٌ من عصافیر الجنۃ تھی۔ اس کو وہاں سے نکال کر اس دار المحن میں کیوں بھیجا گیا۔ اور کیوں اس کے لئے

جنت اور جہنم بنایا گیا - یہ کھیل کیوں کھیلا گیا؟ اگر
روح کیمیائی فعل ہی ہے - تو یہ سب کچھ فانی و باطل
ہے - خودکشی اس کا بہترین علاج ہے - نہیں - میں یہ نہیں
مان سکتا - یہ نہایت پست نظریہ ہے -

(۲)

میں جو اس جسم میں روح ہوں - میں کیمیائی فعل نہیں
ہوں - میں اس جسم میں آنے سے پہلے موجود تھا - الست
بربکم کے جواب میں میں نے ہی "بلیٰ" کہا تھا - اس جسم
کے فنا ہونے کے بعد بھی میں باقی رہونگا - اور ارجعی کے
جواب میں لبیک کہونگا - میں روح الارواح کا ہمراز ہوں
میں پانی کا وہ قطرہ نہیں ہوں - جو سمندر میں گر کر اپنی
ہستی کو معدوم کر دیتا ہو - میں وہ موتی ہوں - جو سمندر
میں رہتا ہوا بھی اپنی ہستی کو قائم رکھتا ہے - میں اس دار
المحن میں لایا گیا - تاکہ میں آزادی سے اس سٹیج پر من بھاتا
کھیل کھیلوں - اور پھر واپس چلا جاؤں - یہ کھیل میرے اور اس
کے درمیان ہے - وہ اس کھیل کو دیکھتا ہے - میں دکھاتا
ہوں - میں روح ہوں - جس کو وہ اپنا امر کہتا ہے - وہ
آمر ہے - میں مامور ہوں - مامور کو تجسم دینا اس کے اختیار
میں ہے - وہ اول ہے - میں آخر ہوں - وہ باطن ہے - میں
ظاہر ہوں - میرے اور اس کے درمیان کوئی واسطہ یا رقیب
نہیں - وہ لاشریک ہے - وہ یکتا ہے - میں آجاتا ہوں - وہ

لے جاتا ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ایسا ہی کر رہا ہے۔ اور کرتا رہیگا۔

۳

ان ہی خیالات ژولیدہ میں غرق میں دریا کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ آخرکار میں دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ میرا منہ مغرب کی طرف تھا۔ سورج میرے سامنے غروب ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اس لاینحل معمے میں گرفتار پایا۔ جو امر ربی کا معما تھا۔ مجھ پر وہ حالت طاری ہو گئی۔ جو کبھی ایسے ہی پیچیدہ مسئلہ کے متعلق مجھ پر طاری ہو جاتی تھی۔ اور میں اپنی مدد کے لئے روح الارواح اور نور الانوار فارقلیط کو پکارتا تھا۔ اور اس گرد وغبار کو جو میرے اور اس کے درمیان حائل ہو جاتا تھا۔ اپنے آنسوؤں سے دھوتا تھا۔ یہاں تک کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا تھا۔ میں اس کی آواز کو سنتا تھا۔ مگر اپنے کان سے نہیں۔ بلکہ اس کے کان سے۔ میں اس کو دیکھتا تھا۔ مگر اپنی آنکھ سے نہیں۔ بلکہ اس کی آنکھ سے۔ میں نے دیکھا۔ میں نے سنا۔ کہ اس نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اور میرا دل ایک ریکارڈ کی طرح حرکت میں آیا۔ اور اس میں سے وہ آواز جو اس سے قبل اس میں بھری جا چکی تھی۔ برآمد ہونے لگی۔ چنانچہ وہ کہہ رہا تھا:۔

"کیا تو وہی نہیں ہے۔ جس نے میرے کلام
پاک میں مُردوں کے زندہ کئے جانے پر
بے ہودہ اعتراضات کئے تھے۔ اور تو کبھی
کسی کے سمجھانے سے نہیں سمجھا تھا۔ دیکھ
میں نے تیری پجارن کو تیری آنکھوں
کے سامنے مار ڈالا۔ اور تو نے اپنے ہاتھ
اس کی خاکستر کو دریا برد کر دیا۔ مجھے میرے
جلال کی قسم ہے۔ کہ میں اسکو زندہ کرونگا
اور تیری اِن ہی آنکھوں کے سامنے جن
سے تو نے اس کے جسم کو ریزہ ریزہ ہوتے
دیکھا۔ لاکر کھڑا کر دونگا۔ اور تو پہچان
لیگا۔ کہ یہ وہی ہے۔ مگر میں تجھے ابھی زیادہ
آزمائشوں میں ڈالدونگا۔

پھر جب تو نے مجھ سے پوچھا۔ کہ یہ کب ہوگا
کیسے ہوگا؟ کہاں ہوگا؟ تو کیا میں نے تجھے
جواب نہیں دیا تھا۔ کہ کیا میں نے عزیر کے
گدھے کو زندہ نہیں کیا۔ کیا میں نے ابراہیم
کے جانوروں کو مار کر زندگی نہیں دی؟
کیا میں نے موسیٰ کی مچھلی کو حیات نہیں
بخشی؟ تو نے میرے قادر مطلق ہونے پر
شک کیا۔ کیا تو سمجھتا ہے۔ تیری پجارن ان

جانوروں جیسی بھی نہیں تھی۔ مجھے میری
صمدیت کی قسم ہے۔ وہ میری پرستارہ اور
میری فرستادہ تھی۔ جس کو میں نے تیری
آزمائش کے لئے بھیجا تھا۔ تاکہ میں دیکھوں
کہ تو ٹھوکر تو نہیں کھاتا۔ میں خوش ہوں
کہ تو نے ٹھوکر نہیں کھائی۔ دیکھ میں اس
کو زندہ کردونگا۔ اور تیرے سامنے لاؤنگا
تاکہ تو ایمان لائے۔ کہ میں قادر مطلق ہوں
زندگی اور موت کا مالک ہوں۔ یہ سب کچھ
اسی طرح ہوگا۔ اس زمین پر ہوگا۔ تیری
زندگی میں ہوگا۔ تیری آنکھوں کے سامنے
ہوگا۔ اور پھر جب تو نے اس کی نشانی مانگی
تو کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا۔ کہ وہ
اپنی روح کے ساتھ اسی جگہ موجود ہے۔
وہ تیرے ارادہ کو دیکھ رہی ہے۔ کیا
میں نے تجھ سے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ تو
اس سے پوچھ۔ جو کچھ تو پوچھنا چاہتا ہے
وہ تیرے ہر ایک سوال کا جواب دیگی۔ اور
پھر کیا اس نے تیرے ہر ایک سوال کا جواب
نہیں دیا تھا۔ اور کیا جب تو پھر مضطرب
ہوا۔ تو میں نے تجھ سے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ

دیکھ میں صادق القول خدا ہوں۔ میں نے اپنے
جلال کی قسم کھا کر تجھ سے وعدہ کیا۔ کہ میں
تیری پو جارن کو تجھے واپس دونگا۔ دیکھ وہ
عالم ارواح میں نہیں ہے۔ بلکہ میرے حکم کے
مطابق عالم اجسام میں بھیجی جا چکی ہے۔ جب
میں اس کو اس کے جلال اور جوبن کے ساتھ
تیرے سامنے لاؤنگا۔ تو تو اس کو سبا کی
طرح جس نے سلیمان کے سامنے اپنے تخت کو
دیکھ کر مشکوک سا جواب دیا تھا۔ "گویا کہ
یہ وہی ہے"۔ تو مجھے مشکوک سا جواب نہیں
دیگا۔ بلکہ تو کہیگا۔ ہاں ربی! یہ وہی ہے۔
تو اپنی مالک کے ساتھ میرے سامنے سجدہ
ریز ہوگا۔ تو نے اپنے شکوک کی وجہ سے
میرے قادر مطلق ہونے پر جو پابندی لگا رکھی
وہ ریزہ ریزہ ہو جائیگی۔ اور تو جان لیگا
کہ میں تیرا اور صرف تیرا خدا ہی قادر مطلق
ہوں۔ میں ہی روح الارواح ہوں۔ میں
ہی نور الانوار ہوں۔ دیکھ میں نے تیرے
سامنے اپنا نقاب اٹھا دیا ہے۔ کیونکہ تو میرے
لئے غیر محرم نہیں ہے۔ میں نے تجھ کو وہ کچھ
دکھا دیا ہے۔ جو میں غیر محرموں کو نہیں دکھاتا۔

ابھی میں نے تجھ کو بہت کچھ دکھانا ہے۔ تو غم نہ کر۔ تو میری حفاظت میں ہے۔ میرا ہاتھ تیرے سر پر ہے۔ دیکھ میں ہی زندگی اور موت کا مالک ہوں۔ تو ان سب کی جو تیری موت چاہتے ہیں۔ موت دیکھے گا۔ جب تو میرے جلال اور میری تقدیس کی خاطر اپنی روح کو میرے سامنے انڈیلتا ہے۔ تو میرا عرش لرزجاتا ہے۔ اور میں تیرے سامنے بے نقاب ہوجاتا ہوں۔ تاکہ تیری تسلی ہو۔ دیکھ! میں ہی فارقلیط ہوں۔ میں ہی اول ہوں میں ہی آخر ہوں۔ میں ہی ظاہر ہوں۔ میں ہی باطن ہوں۔ میں نے تجھ کو جس مقصد کے لئے اپنی انگلیوں میں حرکت دی۔ تو اس کو پورا کریگا۔ تاکہ میری تقدیس ہو۔ مجھ کو میری عزت کی قسم ہے۔ کہ ایسا ہی ہوگا۔ آمین۔ اور میرے نام پر فتح تیرے نام لکھی جاچکی ہے۔ تو اس کو اپنی ہتک کے چہرے پر پڑھیگا۔ جو تیرے پاس آنیوالی ہے۔ وہ ہاں وہی ہتک جس کے لئے تو رو دیا۔ اور جس نے تیرے لئے جان دی۔ اب تو دیکھ! یہ وہی ہے۔ جس کا بین نے تیرے

ساتھ وعدہ کیا۔ کہ میں اس کو مُردوں
میں سے زندہ کرونگا۔ تاکہ تو جان لے
کہ میں قادر مطلق ہوں۔ تو نے اس کو جسم
کی آنکھ سے دیکھا۔ اور تو نے اُس کو
پہچانا۔ اب تو اس کو روح کی آنکھ سے
دیکھے گا۔ اور تو جان لیگا۔ کہ روح بھی وہی
ہے۔ میں اس پر قادر ہوں۔ کہ روح کو
جسم دوں۔ میں اس پر بھی قادر ہوں۔ کہ
روح کو جسم سے الگ کردوں۔ اور جب تک
چاہوں۔ اس کو جسم سے الگ رکھوں۔ میں
اس پر بھی قادر ہوں۔ کہ روح کو وہی جسم
دوں۔ جس میں اس نے کوئی عمل کیا۔ تاکہ
وہ اپنے اعمال کو دیکھے۔ میں اس پر بھی
قادر ہوں۔ کہ اس کو کوئی جسم نہ دوں۔
تو نے جسم چاہا۔ میں نے جسم دے دیا۔
وہی جسم بلکہ اس سے بھی اچھا۔ جو تو نے
چاہا۔ اب تو جنت اپنی آنکھ سے دیکھے
گا۔ اور تو جہنم بھی دیکھے گا۔ اور تو شہادت
دیگا۔ کہ میں تیرا قادر مطلق خدا ہی صادق
القول ہوں۔ میں جو چاہتا ہوں۔ کرتا ہوں
میں تیری زبان پر بول رہا ہوں۔ آنکھ

کھول اور دیکھ۔ جو کچھ میں نے تجھے دکھایا:

۴

میں نے دیکھا۔ میرے سامنے دریا بہ رہا تھا۔ مگر اس کے ساتھ دو دریا اور تھے۔ جو میری دونوں آنکھوں سے بہ رہے تھے۔ مجھ پر انکشاف ہوا۔ کہ اگر روح کیمیائی فعل ہوتی۔ تو سروج کی روح بھی جسم کے ساتھ ہی فنا ہو گئی ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ روح عالم ارواح میں گئی۔ اور اسی حالت میں موجود رہی۔ جو الست بربکم کی حالت تھی۔ اس کی وہ تمنا جو عالم اجسام سے علیحدہ ہوتے وقت انتہائی شدت کے ساتھ اس کی روح میں مرتسم ہو چکی تھی۔ عالم ارواح میں جا کر بھی باقی رہی۔ ادھر عالم اجسام میں خدا کے ایک مومن بندے کے دل میں یہ سوال اٹھ رہا تھا۔ کہ خدا مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے؟ یہ وہ کانٹا تھا۔ جو بعض نبیوں اور رسولوں نے بھی چبھا تھا۔ اور خدا نے اس کانٹے کو نکال دیا تھا۔

اس میں شک نہیں۔ کہ سروج کی روح نے فارقلیط کے زیر حکم جو تجسم اختیار کیا۔ وہ بعینہٖ وہی ہے۔ جو میں انوار کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔ میری آنکھ غلطی نہیں کر رہی۔ میرا دل مجھ کو فریب نہیں دے رہا۔ یہ مشاہدہ بہت تاہ جہاں تک جسم سے تعلق رکھتی ہے۔

بالکل کامل و مکمل و اکمل ہے۔ اسمیں شک و شبہ کی
کوئی گنجائش نہیں۔ مگر ایک ہی وقت میں یا الگ الگ
وقتوں میں دو یا دو سے زیادہ انسانوں کے اجسام
میں مشابہت تامہ کا ہو جانا معمولی حادثہ ہے۔ یہ کوئی معجزہ
یا غیر معمولی بات نہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ آیا سروج اور
انوار کے بیرونی ڈھانچے میں مشابہت تامہ کا ہو جانا
کیا اس بات کی بھی دلیل ہو سکتا ہے۔ کہ انوار کے جسم
میں جو روح ہے۔ وہ سروج کی ہی روح ہے۔ جو قادر
مطلق خدا نے اپنے مخلص بندے کے اطمینان قلب کے
لئے عالم ارواح سے عالم اجسام میں نازل کی ہو۔ اس
سوال کا جواب فارقلیط نے تو دیدیا۔ اور مجھے اس
پر ایمان لانا چاہئے۔ مگر اپنی مزید تسلی کے لئے مجھے
دیکھنا چاہئے۔ کہ انوار اس معاملہ میں میری کیا مدد
کرتی اور کیا شہادت دیتی ہے۔ ان خیالات میں
محو میں دریا کے کنارے کنارے گھر کی طرف
لوٹا۔ اور گھر پہنچ گیا۔ جبکہ کافی اندھیرا ہو چکا
تھا۔

باب دوازدہم

دوسری فصل

پہلی رات

حجلۂ عروسی

(۱)

کھانا کھا کر تھوڑی دیر اِدہر اُدہر کی باتیں کرکے انوار کی چھوٹی بہن اور والدہ دونوں جا چکی تھیں۔ میری چھوٹی بیٹی بھی اپنی واجی کے ساتھ کچھ دیر بیٹھی میٹھی باتیں کر کے اپنی امی جان کے پاس اوپر کی منزل پر چلی گئی۔ باہر جانے کا دروازہ اور اوپر آنے جانے کی سیڑہی بھی دونوں بند ہو گئے۔ ہال کمرہ کے جنوبی سمت ایک چوبیس فٹ لمبا کمرہ تھا۔ اس کی چار طاقیاں باہر سڑک کی طرف اور دو دروازے اندر کی طرف کھلتے تھے۔ ڈیوڑہی میں سے ہو کر اس کمرہ میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ اگر باہر کی طاقیاں اور ڈیوڑہی کا دروازہ بند کر لیا جاتا تھا۔ تو یہ کمرہ زنانہ کمرہ بن جاتا تھا۔ ورنہ دفتر کا کام دیتا تھا۔ جب انوار اکیلی

رہ گئی۔ تو میں نے چاہا۔ کہ وہ سونے کے کمرہ میں چلی
جائے۔ جوکہ ہاں کمرہ کے شمالی جانب واقع تھا۔ اس کمرہ
میں بھی ایک میز اور کرسی کے علاوہ چودہ لائن کا ٹیبل لیمپ
جلتا تھا۔ میز پر لکھنے کا سامان تھا۔ جہاں سونے سے قبل
میں بعض اوقات ضروری مضامین قلمبند کرتا تھا۔ اس کمرہ میں،
دو نواری پلنگ بچھے تھے۔ جن پر تکئے اور سفید چادریں بچھی
ہوئی تھیں۔ انوار کو ابھی تک یہ علم نہیں تھا۔ کہ اس کے
سونے کا کمرہ کون ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو محبت بھرے
الفاظ میں کہا۔ نور نظر تم دن بھر کی تھکی ماندی ہو۔ اب
آرام کرنے کیلئے اپنے کمرے میں میرے ساتھ آؤ چنانچہ
انوار ادب سے ڈوپٹہ سنبھالتی ہوئی میرے ساتھ چل پڑی
جب میں نے کمرہ کے اندر جسے تو حجلۂ عروسی کہنا چاہیئے۔ قدم
رکھا۔ تو میں نے محسوس کیا۔ کہ جس طرح المورہ میں پہلی دفعہ
سروج میرے کمرہ میں داخل ہوئی تھی۔ تو مجھے مقدسین
نے اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا تھا۔ تاکہ وہ اثر بد سے میری
حفاظت کریں۔ اسی طرح آج بھی میں نے محسوس کیا۔ کہ
میرا کمرہ مقدسین کے انفاس قدسیہ سے معمور ہے۔ جس
نے مجھے اور انوار دونوں کو اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا
ہے۔ تاکہ وہ صحیح طور پر ہماری رہبری اور راہنمائی کریں
آج جبکہ ہم دونوں کے درمیان کوئی حجاب نہیں تھا۔ نہ
ہی اجنبیت تھی۔ کیونکہ ہم دین دہرم قانون اور شریعت کے

کے تحت میاں بیوی تھے۔ ہمیں کس طرح چلنا چاہیئے
میں نے انوار کو مخاطب کیا۔ اور کہا۔ عزیز از جان!
تم کو آج مختلف نرد دات میں سے گذرنا پڑا ہے۔ تم کو
آرام کی ضرورت ہے۔ بے فکر ہو کر خوب میٹھی نیند سو
رہو۔ دیکھو۔ تمہارے سامنے اس کمرہ میں دو پلنگ
بچھے ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو میری میز کرسی کے قریب
ہے۔ دوسرا وہ جو ذرا فاصلہ پر ہے۔ تم جس پلنگ پر
چاہو۔ لیٹ جاؤ۔ میں ابھی کچھ دیر لکھنے میں مصروف
رہونگا۔ میں یہ کہکر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور منتظر ہوا
کہ انوار کس پلنگ کو پسند کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے میری
میز کرسی کے ساتھ لگتے پلنگ کا انتخاب کیا۔ اب یہ وہی
پوزیشن تھی۔ جو وکٹر وارڈ میں سروج نے اختیار کی
تھی۔ اس نے مجھے محبت بھری نظر سے دیکھا۔ جبکہ
اس کے یاقوتی لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی۔

(۲)

میں نے قلم اٹھایا۔ اور انوار کی حرکات کو دیکھنا اور
نوٹ کرنا شروع کیا۔ میرا مقصد ایک وحشی درندہ
کی طرح جو اپنے شکار پر جھپٹتا ہو۔ اسپر جھپٹا مارنا
نہیں تھا۔ بلکہ یہ اعتقاد اور عین الیقین رکھنے ہوئے
کہ وہ دیوتاؤں یا مقدسین بالا کی دنیا کو چھوڑ کر ایک
مقدس مشن کی تکمیل کے لئے میرے پاس بھیجی گئی ہے۔

مجھے اس کے متعلق عزت و احترام اور ادب کے جذبات
کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس کے دل میں میرے
لئے اتنی عزت اور محبت پیدا ہو جائے۔ کہ میں عالم ارواح
کے متعلق جس راز کے جاننے کے درپے ہوں۔ وہ اس
راز پر سے پردہ اٹھانے میں میری مددگار ثابت
ہو۔ اور اپنے رجحانات سے مجھے بتائے۔ کہ اس قالب میں
وہی روح ہے۔ جس کا میں متمنی تھا۔ اور متمنی ہوں۔ اور
کہ میرے خالق و مالک نے میرے اطمینان قلب کے لئے اپنے
وعدہ کے مطابق دوسری زندگی دی ہے۔ جسمانی طور
پر شباہت نامہ کے ساتھ روح بھی وہی ہے۔ جس نے اپنے
وعدہ کو پورا کرنے کے لئے عالم بالا کو ترک کیا۔ یہ سوال
ہے۔ جس کا جواب مجھے اس مقدس دیوی سے ملنا چاہیئے
اس انکشاف کی خاطر میں نے نور نظر اور منظور نظر انوار
کو دوبارہ کہا۔ عزیز از جان! سو جاؤ۔ انوار نے اپنا ننھا
سا ہاتھ میری کرسی کے بازو پر رکھ دیا۔ اور میری طرف
منہ کر کے پلنگ پر لیٹ گئی۔ اور میری طرف اپنی محبت پاش
آنکھوں سے اس طرح دیکھا۔ جس طرح سروج نے دکٹوریہ
وارڈ میں جبکہ وہ بستر مرض پر لیٹ رہی تھی۔ میری
طرف محبت بھری نظر سے دیکھا تھا۔ میرے اور انوار
کے درمیان ایک برقی کرنٹ جاری ہو گئی۔ اگر میں عالم
ارواح کے ایک راز کو جاننے کے درپے نہ ہوتا۔ تو یہ کرنٹ

مجھے یقیناً بہا لے گئی ہوتی - کیونکہ کرنٹ اتنی زبردست تھی - جس کا برداشت کرنا بے حد مشکل تھا - مگر ایک سائنسٹ کی طرح جو اپنے معمل یا تجربہ گاہ میں جذبات سے بالاتر ہوتا ہے - میں اپنے محور پر اسی طرح قائم رہا جس طرح وکٹری وارڈ میں قائم رہا تھا - حالانکہ اب حالات بالکل بدل گئے تھے - اور اگر میں اس کرنٹ میں بہ جاتا - تو یہ گناہ نہیں بلکہ کارِ ثواب ہوتا - مگر میرے سامنے تو یہ سوال تھا - آیا جسم سے الگ ہو کر روح عالمِ بالا کے فرائض بھر کر دوبارہ تجسم اختیار کرتی ہے - یا نہیں - آیا ہر ایک روح پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ؟ یا اس میں مستثنیات ہیں ؟ اور کہ جس روح کے متعلق میں تجربہ کر رہا ہوں - وہ اِستثنا ہے - یا قاعدہ کلیہ ؟ اگر یہ قاعدہ کلیہ ہے - تو یہ آواگون یا تناسخ ہوا - جس کا میں قائل نہیں ہوں - اور اگر یہ اِستثنا ہے - تو یہ ایک معجزہ ہے - جو فارقلیط نے اپنے ایک مخلص پرستار کے اطمینانِ قلب کی خاطر دکھایا ہے - اسی ضمن میں فارقلیط نے آج جو کچھ کہہ دیا تھا - وہ اگرچہ لاریب فیہ تھا - مگر میں اس قاعدہ کلیہ اور اِستثنا کے چکر سے بھی نکلنا چاہتا تھا -

(۳۳)

میں دیکھ رہا تھا - کہ انوار حسین قادر گہری نیند میں جا رہی

تھی۔ اسی قدر اس کے چہرہ پر نور کا حلقہ محیط ہوتا
جا رہا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ انوار اب نیند کی
اس حالت میں ہے۔ جس کو سنسکرت زبان میں
تریّا اوستھا کہا جاتا ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ
میں اپنی روح کی کرنٹ کے ذریعہ اسکی روح میں دماغ
کے ان خوابیدہ ذرات کو بیدار کروں۔ جو بہ ظاہر
موت کے وقت ضائع ہو جاتے ہیں۔ مگر روح میں
غیر مرئی طور پر موجود رہتے ہیں۔ تاکہ یہ خوابیدہ
ذرات روح سے زندگی پا کر بیدار ہوں۔ اور گم گشتہ
یاد داشت کو حاصل کریں جس سے روح کو اپنے
ماضی کا علم ہوگا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس عمل سے انوار
کا چہرہ جو پہلے ہی بہت زیادہ جاذب توجہ تھا۔ اب
اور بھی نورانی ہوگیا۔ اور وہ اپنی زندگی کے کسی منظر
کو دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ یہ مسکراہٹ اور بشاشت
اسی قسم کی تھی۔ جیسی کسی شخص کو اپنی گم شدہ پیاری
چیز کے پا لینے سے ہوتی ہو۔ یہ خیال کر کے کہ اگر میں نے
اس عمل کو زیادہ دیر تک جاری رکھا۔ تو ممکن ہے۔
انوار نیند کی حالت میں ان مناظر کو بھی دیکھ لے
جو اس کی موت اور پریشانی کا باعث ہوئے تھے۔ میں
نے اس عمل کو بند کر دیا۔ اور پہلی شب کے لئے اتنا ہی
عمل کافی سمجھا۔ میں میز پر پڑے ہوئے کاغذات

کو ترتیب دے رہا تھا۔ کہ انوار نے اپنی نیند بھری
آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ اور مسکرا دی۔ میں
نے کہا۔ عزیز از جان۔ خوب سوئی ہو۔ مگر میرا مضمون
ابھی بہت باقی ہے۔ تم آرام سے سوئی رہو۔ انوار
نے بغیر کروٹ بدلے اسی طرح میری طرف دیکھتے ہوئے
اپنی نرگسی آنکھوں کو بند کر لیا۔ اور سو گئی۔ میں نے
اپنا مضمون انسداد توہین انبیاء پر شروع کر دیا۔ اور اس
ضمن میں میرے پاس جس قدر قرار دادیں آچکی تھیں۔
انکو کاپی کرنے لگا۔ ان قرار دادوں میں مسلمانانِ
عراق عرب کی نمائندہ جماعت اسلامیہ بغداد کی قرار داد
مورخہ ۱۴۔ جون ۱۹۲۵ء۔ مسلمانِ آگرہ کے جلسہ عام
کی قرار داد مورخہ ۵ جون ۱۹۲۵ء۔ مسلمانانِ حیدرآباد
سندھ کا رزولیوشن۔ مسلمانانِ راجپوتانہ کا احتجاج
اور انجمن حمایت اسلام بیاور کا رزولیوشن مورخہ ۵ جون
۱۹۲۵ء۔ مسلمانانِ سیال شریف کی قرار داد مورخہ
۱۳ جون ۱۹۲۵ء۔ مسلمانانِ ساہیوال ضلع شاہ پور کے
جلسہ عام کی قرار داد مورخہ ۱۴۔ جون ۱۹۲۵ء۔ مسلمانان
جلالپور بھٹیاں اور مسلمانانِ لکھیم پور کھیری کی
قرار داد مورخہ ۲۷۔ جون ۱۹۲۵ء۔ مسلمانانِ بہادر پور
ضلع ہوشیار پور کی قرار داد۔ مخدوم العالم حضرت
خواجہ ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

کنور عبد الوہاب صاحب ناظم جمعیت تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ - گشتی چٹھی ان جانب حکیم محمد عبد المغنی صاحب صدر جمعیت تبلیغ و حفاظت اسلام بھڑائچ - حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا پیغام وغیرہ وغیرہ ضروری قرار دادیں تھیں - جن کو میں نقل کرتا جا رہا تھا - یہاں تک کہ میں لکھتے لکھتے تھک گیا - میرا منہ لیمپ کی طرف تھا - اور میں سوچ رہا تھا - کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آریہ ہندوؤں نے یہ خطرناک سازش کیوں بنا رکھی ہے - کیا وہ جانتے نہیں - کہ اس سے انڈیا بھر میں کتنا خون خرابہ ہوگا ؟ یہ حضرات انبیاء و رسل کی ذات ستودہ صفات پر اس قسم کے ناپاک اور اشتعال انگیز حملے کرکے کس قسم کی خدمت کر رہے ہیں - اور کیا بھلائی چاہتے ہیں - کیا وہ قادر مطلق خدا جس نے فرعون جیسے منکر خدا اور دشمن انبیاء کو مع اسکی فوج کے غرق کر دیا - کیا وہ خدا جس نے نمرود کو ذلت کی موت مارا - کیا وہ خدا جس نے نوح کی قوم کو طوفان سے ہلاک کر دیا - کیا وہ اس پر قادر نہیں - کہ وہ ان دشمنان انبیاء و رسل کو یا تو بالکل فنا کر دے - یا ہدایت دے - میں نے اس آخری مقصد یعنی ہدایت کے لئے دعا مانگی - کیونکہ میرے نبی نے بھی اپنے ستانیوالوں کی ہدایت کے لئے دعا مانگی تھی

اِس قوم کی ہدایت کے لئے جو میرے نبی کو گالیاں دیتی تھی دعا مانگتے مانگتے مجھ پر ایسی رقت طاری ہوگئی۔ کہ میرے آنسو رواں تھے۔ یک لخت انوار نے بیدار ہوکر میری آنسوؤں کی دھارا کو دیکھا۔ اس نے بیاکل ہوکر اپنی محبت کے بازو میری طرف پھیلا دیئے اور اپنے ننھے سے ہاتھ کی نرم و نازک انگلیوں سے میرے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا" میں نے بے اختیار کہہ دیا۔ "کچھ نہیں"۔ میرے سامنے جو ابھی ابھی طائف کا سین تھا۔ وہ یک لخت وکٹر وارڈ کے سین سے بدل گیا۔ انوار نے اپنے بازو میرے گلے میں حمائل کرکے میری دبارہ بوسی کی اور پیار بھرے الفاظ میں پوچھا۔ "اِس خوشی کی رات کو آنسو بہانے کا کیا مطلب؟" اس نے اپنے سیمیں رخسار کو میرے رخسار سے مس کرتے ہوئے اپنی محبت کا اسی طرح اظہار کیا۔ جس طرح وکٹر وارڈ میں سروج نے کیا تھا۔ میں نے نتیجہ نکالا۔ کہ رُوح اپنے قدموں پر واپس آرہی ہے۔ اور اپنے آپ کو متعارف کروا رہی ہے۔ کہ وہ ایک شناسا روح ہے۔ جو اپنے گم شدہ محبوب کی تلاش میں قدم اٹھا رہی ہے۔ انوار نے اسی طرح محبت کرتے ہوئے دوبارہ وہی سوال کیا۔ "جانی! مجھے بتاؤ۔ اس آنسو بہانے کا راز کیا ہے؟ جب انوار نے مجھے محبت سے جانی

کہا - تو میں مسکرا دیا - کیونکہ یہ جانی لفظ مروج کے
پران نا کتخدا کا ترجمہ تھا - ایک دوشیزہ کا پہلی شب
کو اپنے محبوب کو جانی کہنا - جبکہ اس کے محبوب نے ابھی
اسکو ہاتھ تک نہ لگایا ہو - ظاہر کرتا تھا - کہ انوار کے
دل میں اپنے محبوب کے لئے محبت کا دریا موجزن
ہو رہا تھا - انوار نے مجھے مسکراتے دیکھ کر سوال
کر دیا - کہ اب آپ مسکرائے کیوں؟ میں نے اسی طرح
مسکراتے ہوئے کہا - عزیزاز جان! مجھے یہ بتا دو -
کہ تمہارے دل میں میرے لئے یہ محبت اِن چند گھنٹوں
میں کیوں اور کیسے پیدا ہوگئی - جبکہ میں نے تمکو ابھی
ہاتھ تک نہیں لگایا؟ - انوار نے اسی طرح میری دیدہ
بوسی کرتے ہوئے پوچھا - کہ پہلے آپ بتائیں - آپ روئے
کیوں اور پھر مسکرائے کیوں؟ میں نے کہا - اِس کا جواب
میں بعد میں دونگا - پہلے تم میرے سوال کا جواب دو -
انوار نے کہا - میں اس کا کیا جواب دوں - کیا آپ میرے
دل کا حال پوچھنا چاہتے ہیں؟ وہ آج نہیں بلکہ
برسوں پہلے آپ پر نثار کیا گیا تھا - مگر آپ کو اِس کا
پتہ آج تک نہ لگا - میں نے کہا - نور نظر! اِس کا کیا
مطلب؟ آج سے برسوں پہلے تم نے اپنا دل مجھ پر کیسے
نچھاور کیا؟ ذرا مجھے بتاؤ تو؟ انوار نے کہا - کیا آپ
سننا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا - یقیناً میں سننا چاہتا ہوں

انوار نے پوچھا - کیا آپ کو یاد ہے - آپ نے اپنے بچپن میں اپنے گھر کے سامنے سرس کا ایک درخت لگایا تھا؟ میں نے کہا - ہاں مجھے یاد ہے - انوار نے کہا - میں بہت چھوٹی سی تھی - میں اس درخت کے نیچے محلہ کی دوسری چھوٹی چھوٹی بچیوں کے ساتھ جب کھیلنے کے لئے آتی تھی - تو وہ مجھے آتا دیکھ کر بول اٹھتی تھیں - دیوی آئی - دیوی آئی - میں ان سے لڑ پڑتی - کہ میں کیا ہندوانی ہوں؟ تم مجھے دیوی کیوں کہتی ہو - لڑکیاں ہنس کر کہتیں - ہم کیا کریں - جب تم کو تمہارے گھر میں دیوی کہا جاتا ہو - تو ہم تم کو دیوی کیوں نہ کہیں؟ انوار کے اس بیان پر میں خوب ہنسا - میں نے کہا - تم دیوی تھیں - تب ہی آج دیوتا کے گلے میں اپنے بازو ڈالے پیار کر رہی ہو - اچھا تو پھر کیا ہوا؟ انوار نے کہا - میرے میاں (والد) پر ایک دفعہ ڈاکو نے حملہ کیا - ان کے پاس جس قدر روپیہ تھا - وہ اس ڈاکو نے چھین لیا - میاں کو اس کا بہت صدمہ ہوا - ہم سب نے اپنے گاؤں کو چھوڑ دیا - اور لائل پور ضلع کے گاؤں منیانوالہ میں جو گوجرہ ریلوے سٹیشن کے قریب ہے چلے گئے - وہاں میاں کبھی کبھی آپ کا ذکر کرتا - جبکہ آپ آریہ بن گئے تھے - میں میاں سے کہتی - کہ مجھے دکھایا جائے - آپ کیسے آریہ ہیں - میاں انکار کر دیتے - اور کہ دیتے - کہ جب مسلمان ہو جائینگے - تو آپ کو مجھے ضرور دکھایا جائیگا

ان ہی دنوں میں جب آپ آریہ تھے۔ آپ ایک دفعہ
لائل پور آئے۔ میں نے میاں سے کہا۔ میاں چلو۔ اس
سے ملیں۔ میاں نے انکار کر دیا۔ میرے دل میں آپ
کو دیکھنے کا شوق دن بدن بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ
ایک دن میاں نے بڑی خوشی سے مجھے یہ خبر سنائی کہ
آپ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور لاہور چھوڑ کر لدھیانہ
چلے گئے ہیں۔ میاں نے کہا۔ فاطمہ! اب ہم بھی لدھیانہ
چلے جائینگے۔ اور تم کو میاں جی کے اس لڑکے (آپ) سے
ملائینگے۔ کیونکہ تم کو اس سے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔
میں یہ خوش خبری سنکر بہت خوش ہوئی۔ چنانچہ ہم
سب منیانوالہ کو چھوڑ کر لدھیانہ آگئے۔ اور اس
محلہ میں سکونت اختیار کی۔ جو ڈاک خانہ اقبال گنج کے
قریب ہے۔ میں نے بہت چاہا۔ کہ آپ کو دیکھوں۔ مگر
نہ دیکھ سکی۔ ایک دن جب میں اسی کوچہ میں اپنے
گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ تو سڑک پر میری نظر ایک
شخص پر پڑ گئی۔ جس پر کسی چیز نے میری آنکھوں
پر پر مارے۔ میں ڈر کر اندر بھاگ گئی۔ دوسری
دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ میں بہت ڈر گئی۔ میں نے
گھر سے باہر اس کوچہ میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ ایک
دن میاں نے ماں سے کہا۔ کہ میاں جی کے لڑکے (آپ) کو
کھانا کھلانا ہے۔ فاطمہ! تم اس کے لئے چپاتی بناؤ گی؟

میں تو خدا سے دن رات یہ دعا مانگتی تھی۔کہ خدا وہ دن لائے۔جب میں آپ کو دیکھوں۔میں نے ماں اور میاں سے کہا۔میں اس کے لئے ضرور کھانا بناؤنگی۔میاں نے کہا۔وہ کسی کے گھر کھانے کے لئے نہیں جاتا۔ملنا جلنا بھی بہت کم ہے۔مگر میں کوشش کرونگا۔کہ وہ ہماری دعوت قبول کر لے۔میں نے کہا۔میاں! اس کو ضرور بلاؤ۔چنانچہ میاں آپ کے پاس گیا۔اور آپ نے دعوت قبول کر لی۔میاں نے جب یہ بات گھر میں آکر سنائی۔تو میں مارے خوشی کے جامے میں پھولی نہیں سماتی تھی۔میرا خون سیروں بڑھ گیا۔ماں نے مجھے الگ لے جاکر کہا۔دیکھو۔وہ بہت نازک مزاج اور صفائی پسند ہے۔نہا۔دھو کر اور کپڑے بدل کر کھانا بنانا۔چنانچہ دوسرے دن جب آپ نے ہمارے گھر آنا تھا۔تو میں نے صبح ہی اٹھ کر نہا کر دھو کر کپڑے بدلے۔اور آپ کے استقبال کے لئے تیار ہو گئی۔جب انوار نے اپنی اس تیاری کا حال سنایا۔تو میں بے اختیار ہنس دیا۔اور کہا آپ نے تو جنگ کی خوب تیاری کر لی۔لیکن مجھ بھنّے کو اس کا کیا علم تھا۔کہ میں کھانا کھانے نہیں جا رہا۔بلکہ پریم اور محبت کے محکم قلعہ میں قید کئے جانے کے لئے جا رہا ہوں۔جہاں میرے پاؤں میں پریم کی بیڑی اور ہاتھوں میں محبت کی ہتھکڑی اور زبان پر قفل خاموشی لگ جائیگا۔اس کے بعد میرے صبر وشکیب کے خرمن میں آگ لگا دی جائیگی۔میں نہ بول سکونگا۔

نہ رو سکوں گا - میرے دل سے دھواں اٹھے گا - جو دماغ سے ٹکرا کر گرم لُو کی طرح آنکھوں سے خارج ہوگا - مگر اس میں آنسو جل نہیں ہوگا - جو اس آگ کو سرد کر دے - انوار نے میرے ان کلمات پر میری پیشانی - میری آنکھوں اور میرے رخسار کو بوسہ دیا - اور کہا - نہیں - یوں نہیں - بلکہ یوں کہئے - کہ آپ کے پریم اور محبت کی جو زنجیریں میں نے خدا معلوم کب سے پہن رکھی تھیں - محبت کے خدا نے وہی زنجیریں آپ کے بھی ڈال دیں - تاکہ ہم دونوں محبت کے قلع میں ایک ہی جگہ قید کر دئے جائیں - میں نے کہا - انوار تم مجھ سے زیادہ گرفتار محبت ہو - اچھا بتاؤ - پھر کیا ہوا ؟ انوار نے کہا - جب آپ کھانا کھانے کے لئے - اور میں ساتھ والے کمرے سے نکل کر چپاتی بنانے کے لئے چولہے کی طرف آئی - اور آپ پر ذرا سی نظر ڈالی - تو میں نے آپ کو فوراً پہچان لیا - کہ آپ وہی ہیں - جنکو میں نے اس کوچہ میں اپنے گھر سے باہر نظر ڈال کر دیکھا تھا - اور جس پر کسی چیز نے میری آنکھوں پر چپ مار کر گھر کے اندر بھاگ جانے پر مجبور کیا تھا - اور میں ڈر کر اندر چھپ گئی تھی - میں نے کہا - کیا اس کوچہ کے باہر مجھے دیکھنے سے پہلے کبھی کبھی خواب و خیال میں تم نے مجھے دیکھا تھا ؟ انوار نے کہا - ہاں دیکھا تھا - میں نے کہا کہاں دیکھا تھا ؟ انوار نے کہا - یہ میں نہیں جانتی - مگر مجھے کچھ ایسا یاد پڑتا ہے - جیسے کسی سرسبز اونچے پہاڑ پر کوئی خوبصورت ہوادار مکان تھا - آپ اس مکان میں کرسی پر بیٹھے ہیں - آپ نے مجھے بھی

کرسی دی۔ میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ آپ نے مجھ پر محبت بھری نظر ڈالی۔ جو میرے دل سے پار ہو گئی۔ مجھے بڑی بے چینی ہوئی۔ میں نے چاہا۔ کہ آپ کو کھانا کھلا دوں۔ آپ نے مان لیا۔ میں نے چپاتی بناتے ہوئے دعا مانگی۔ کہ اگر میرے ہاتھ کی بنائی ہوئی روٹی کا ایک بھی لقمہ آپ کھا لیں۔ تو آپ کے دل پر میری محبت کا وہی اثر ہو۔ جو آپ کی محبت کا مجھ پر ہوا۔ چنانچہ آپ نے میرے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا کھایا۔ اور آپ چلے گئے۔ مگر مجھے پتہ نہ لگا۔ کہ میرے ہاتھ سے بنائی گئی چپاتی کا آپ پر کیا اثر ہوا میں نے پوچھا۔ اچھا اس کے بعد کیا ہوا؟ انوار نے کہا۔ اس کے بعد مجھے کچھ پتہ نہیں۔ کہ کیا ہوا۔ ہاں مجھے اتنا یاد پڑتا ہے کہ میں اس زمین سے بہت دور اور بہت اوپر کسی روشن ستارے میں آپ کی تلاش میں پھرتی رہی۔ یہاں تک کہ میں تھک ہار کر رہ گئی۔ اور مجھے کچھ ہوش نہ رہی۔ کہ میں کہاں ہوں؟ میں نے کہا اچھا آپ نے مجھے جو کھانا کھلاتے وقت دیکھا۔ اس کا آپ پر کیا اثر ہوا؟ انوار نے کہا۔ میں اس کو بیان نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میری جو حالت ہوئی۔ اسکو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ صرف اتنا جانتی ہوں۔ کہ میں نے آپ کو پہچان لیا۔ کہ آپ وہی ہیں۔ جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں رات دن خدا سے دعا مانگنے لگ گئی۔ کہ وہ مجھے آپ کے دامن سے باندھ دے۔ میں خاموش رہنے لگ گئی۔ یہاں تک کہ بیمار ہو گئی۔ ماں نے میری حالت کو دیکھ کر ایک دن مجھ سے پوچھا۔ فاطمہ! جس دن سے وہ ہمارے گھر سے روٹی

کھا کر گیا ہے۔ اس دن سے تمہاری حالت غیر کیوں ہو رہی ہے۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ ایک دن میں نے ماں۔ میاں اور رحمت کو مشورہ کرتے سُن لیا۔ کہ وہ آپ کے ساتھ میری شادی کا ذکر کر رہے ہیں۔ مجھے یہ سنکر بے حد خوشی ہوئی۔ اور میں نے خدا سے دعا مانگی۔ کہ وہ میری مراد پوری کر دے۔ چنانچہ ایک دن میرے میاں نے ململ کا ایک تھان لا کر کہا۔ کہ یہ اس نے (آپ نے) پکی نشانی دی ہے۔ وہ پکی نشانی بھی دینا چاہتا ہے۔ اس نے فاطمہ کے ہاتھ کا ناپ مانگا ہے۔ اسپر ماں نے کہا۔ فاطمہ! ذرا اپنے ہاتھ کا ناپ دے۔ میں نے شرارتاً ایک لوہے کا بڑا سا کڑا جو میری چنگیر میں پڑا تھا۔ ماں کو دیدیا۔ ماں نے کہا۔ فاطمہ! یہ ناپ تو بہت بڑا ہے۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ نہیں ماں یہ ناپ بالکل ٹھیک ہے۔ میں جانتی تھی۔ کہ آپ اس کڑے کو لیکر واپس آئینگے۔ اور مجھے آپ کو دیکھنے کا موقع مل جائیگا۔ انوار کو اس بیان کو سُن کر بے اختیار ہنس پڑا۔ میں نے کہا۔ تو پھر تم یوں کہو۔ کہ تم نے میری گرفتاری کے لئے وہ ہتھکڑی بھیجی تھی۔ کہ یوں تو نہیں آتا۔ ہتھکڑی لگوا کر بلا یا جائے۔ انوار نے کہا۔ ہاں پھر یہ ہتھکڑی ہی تو تھی۔ آپ کو کتنی دفعہ بلایا گیا۔ مکان بنانے کے بہانہ سے بلایا۔ مگر آپ نہ آئے۔ جب ہتھکڑی بھیجی گئی۔ تو آپ کس طرح کچے دھاگے بندھے آئے۔ اسپر ہم دونوں ہنس رہے تھے۔ کہ اتنے میں موذن کی آذان ہمارے کان میں آئی۔ اور ہم وضو کر کے اپنے خالق و مالک کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ یوں ہماری پہلی رات راز جوئی میں ختم ہو گئی۔

باب دوازدہم

تیسری فصل

دوسری رات
دیوی کی پیدائش

(۱)

جب ہم نماز اور دعا سے فارغ ہوئے۔ تو میں نے سنا۔ کہ دروازہ پر کسی نے دستک دی ہے۔ میں نے دروازہ کھولا۔ تو انوار کی چھوٹی بہن اور والدہ کو دروازے پر کھڑے دیکھا۔ میں نے ان کو اور انہوں نے مجھے سلام مسنون کیا۔ اور وہ دونوں اندر آ گئیں۔ انوار اپنی امی جان سے لپٹ گئی۔ انوار کی امی جان اپنی بیٹی کو یوں خوش و خرم دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ میں نے ان سے کہا۔ تو اب آپ سب مل کر چار ناشتہ تیار کرو۔ میں اپنی عادت کے مطابق سیر کرنے کیلئے باہر جاؤں گا۔ انوار کی چھوٹی بہن نے کہا۔ ہم کو بھی ساتھ لے چلیں۔ میں نے کہا۔ آج نہیں۔ کل یا پرسوں اگر تم پسند کرو گی۔ تو سب کو سیر کے لئے ساتھ لے چلوں گا۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ تم کو دریا کے کنارے سبز گھاس

پہر خوب دوڑ لگانی ہوگی۔ اور جو تم میں سے دوڑ نہیں لگائیگی۔ اس کو دریا میں پھینک دیا جائیگا۔ چھوٹی بہن نے کہا۔ اوں ہم نہیں جائینگے۔ مگر انوار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم ضرور جائیں گے۔ اس ہنسی مذاق کی فضا میں ان کو چھوڑ کر سونڈ بوٹڈ ہو کر سیر کے لئے چلا گیا۔ دریا کا ملحق کنارہ میری سیر گاہ تھا۔ رات کی کیفیت میرے سامنے تھی۔ وہ کس طرح اپنے قدموں پر قدم رکھتی ہوئی چلی گئی۔ اور ہر قدم پر یہ نشان دیتی گئی۔ کہ اس میں وہی روح ہے۔ جس کا میں متمنی تھا۔ اور جس کو مردوں میں سے زندہ کرنے کا فارقلیط نے مجھ سے وعدہ کیا۔ اور اس نے وعدہ کو پورا کر دیا۔ انوار نے عالم روحانیات کے راز پر سے پردہ اٹھا دیا۔ مگر ابھی تک اس کو اس کا علم نہیں ہوا۔

۲

میں اسی لائن میں بہتا ہوا جب سیر سے واپس ہو کر گھر کے نزدیک آیا۔ تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ رات انوار نے جو اپنے دیوی ہونے کا اقرار کیا تھا۔ میں ذرا انوار کے والد صاحب سے آج پوچھوں گا۔ آیا انوار کی پیدائش کے متعلق ان کو کوئی ایسی بات یاد ہے۔ جو ان کے نزدیک نرالی ہو۔ چنانچہ جب میں گھر کے اندر پہنچا۔ تو انوار اپنی امی جان اور اپنی چھوٹی بہن اور میری بیٹی کے ساتھ خوب ہنس کھیل رہی تھی۔ باورچی خانہ کیا تھا۔ مسرت و انبساط

کا زندہ نمونہ تھا۔ میں اس نظارہ کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوا۔ آج انوار کل کی طرح مجھ سے لجاتی نہیں تھی۔ ماں نے پوچھا۔ چاء تیار ہے۔ میں نے کہا۔ ذرا ٹھہرئیے۔ میں ٹھاکر جی کو پرنام کر آؤں۔ انوار نے چپکے سے اپنی امی جان کے کان میں کہا۔ ماں! اس گھر میں یہ ٹھاکر جی کون ہیں۔ انوار کی امی جان نے کہا۔ چپ رہ۔ وہی ٹھاکر جی ہیں۔ جن کو سلام کرنے کل تو اوپر گئی تھی۔ انوار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ توبہ! اس گھر میں کہیں دیوی جی ہیں۔ کہیں دیوتا جی ہیں۔ کہیں ٹھاکر جی ہیں۔ اماں! مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ کہیں ہنومان جی نہ نکل آئے۔ اس پر سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ میں ان کو اسی طرح ہنستے کھیلتے چھوڑ کر سیدھا گیان کے پاس گیا۔ اور حضور سلام! کہکر اس کرسی پر جو میرے لیے مخصوص تھی۔ بیٹھ گیا۔ گیان نے ہلکی سی مسکراہٹ کیساتھ جواب تو دیا۔ مگر کچھ کسی قدر بدلی ہوئی تھی۔ پوچھنے لگی۔ چائے یہاں پیو گے۔ یا نیچے؟ میں نے کہا۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ چنانچہ گیان نے میرے آنے سے پہلے حسب دستور چاء تیار کر رکھی تھی۔ مجھے چائے دی۔ پوچھنے لگی۔ "رات کیسے گذری" میں نے کہا۔ "یاد الہی میں"۔ گیان مسکرا دی۔ سمجھ گئی تھی۔ کہ میں سچ بول رہا ہوں۔ اور غلط نہیں کہتا۔ پھر پوچھنے لگی نئی دلہن کو کیسا پایا۔ میں نے کہا۔ "دلی" گیان اس پر مسکرا

کر کہنے لگی۔ تو کیا تمہارا گھر دیویوں ہی سے بھرتا جائیگا۔
میں نے کہا۔ کیا حرج ہے۔ دیوی کے معنی ہیں۔ روشن ضمیر
عورت۔ تو کیا تمہارا یہ مطلب ہے۔ اس گھر میں دیویوں کی
بجائے چڑیلیں آ جائیں؟ گیان پھر مسکرائی۔ میں نے کہا۔ میرے
لئے کیا حکم ہے۔ گیان نے کہا۔ میں نے کل ہی کہہ دیا تھا۔ کہ
رات کے وقت اپنی دلھن کے پاس رہو۔ میرے پاس آنے
کی ضرورت نہیں۔ چاء پی لی ہے۔ اب نیچے جا کر ناشتہ کرو۔
چنانچہ میں نیچے آیا۔ نہایا۔ کپڑے بدلے۔ ناشتہ کیا۔ اور
دفتر میں جا بیٹھا۔ اتنے میں میاں صاحب بھی آ گئے۔ اپنی
صاحبزادی سے ملے۔ پوچھا۔ فاطمہ! کیا حال ہے؟ صاحبزادی
نے جواب دیا۔ میاں! میں بہت خوش ہوں۔ چاء پی کر میاں
صاحب میرے پاس دفتر میں آ گئے۔ دوران گفتگو میں
کہنے لگے۔ ریت رسم کے مطابق لڑکی تیسرے دن میکے واپس
جاتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا۔ آپ تیسرے
دن کی شرط کیوں لگاتے ہیں۔ آپ آج ہی صاحبزادی
کو لے جانا چاہیں۔ تو میرا اس پر کوئی اعتراض نہیں
صاحبزادی سے پوچھ لیجیئے۔ میاں صاحب میرے جواب کو
سنکر بہت خوش ہوئے۔ میں نے ان کو خوشی کی
دنیا میں دیکھ کر کہا۔ میاں صاحب! میرا آپ سے ایک
سوال ہے۔ اجازت ہو۔ تو عرض کروں؟ میاں صاحب
سنجیدہ ہو گئے۔ کہ خدا معلوم میں کیا سوال کروں گا۔ فرمایا

پوچھئے - میں نے کہا - میں اتنا جاننا چاہتا ہوں - کہ آپ
نے کبھی اپنی صاحبزادی میں کوئی ایسی بات بھی دیکھی - جو
آپ کو نرالی معلوم ہوئی ہو - میاں صاحب اِس سوال کو سُن
کر مسکرا دیئے - اور کہنے لگے - آپ کو اس سوال کی کیوں
ضرورت محسوس ہوئی - میں نے کہا - اِس کا جواب میں بعد
میں دونگا - پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیں - میاں صاحب
نے فرمایا - میں نے فاطمہ کے متعلق کئی ایک ایسی باتیں
دیکھی ہیں - جو بالکل نرالی تھیں - میں نے کہا - ذرا
بتائیں - وہ کیا تھیں - میاں صاحب نے کہا - پہلی بات تو
یہ کہ اس کی ماں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی - میں نے
آپ کے بڑے بھائی صاحب میاں جی محمد عبداللہ صاحب سے
کہا - کہ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتایا جائے - جس پر عمل کرنے
سے میری اولاد زندہ رہ سکے - میاں جی نے کہا - عمل تو میں
بتا دونگا - لیکن اگر تم کامیاب ہو گئے - تو انعام کیا دوگے؟
میرے مُنہ سے فوراً نکل گیا - کہ اگر لڑکا ہوا - تو میرا - اور
اگر لڑکی ہوئی - تو آپ کی - میں یہ کہہ تو بیٹھا - مگر اُسی
وقت مجھے آپ کا خیال آگیا - میں نے اس بات کو اپنے دل
میں رکھا - کہ خدا معلوم عمل کامیاب ہو - یا نہ ہو - خدا معلوم
لڑکا ہو - یا لڑکی ہو؟ وہ زندہ رہے - یا نہ رہے - میاں جی
نے مجھے عمل بتا دیا - خدا معلوم - یہ اس عمل کی برکت تھی
یا خدا کی خاص مہربانی - نو ماہ کے بعد جب یہ لڑکی پیدا ہوئی

تو اس کی شکل دیکھتے کے ساتھ ہی میری زبان سے بے ساختہ نکلا - کہ یہ تو ہمارے گھر میں کوئی دیوی آگئی ہے یہ اتنی خوبصورت تھی - کہ ہمارے سارے خاندان میں بلکہ ساری برادری میں اتنی خوبصورت بھی کوئی نہیں تھی - جن عورتوں نے اس کو دیکھا - سب نے یہی کہا - کہ یہ تو سچ مچ کی دیوی ہے - جب یہ ذرا ہوشیار ہو کر چلنے پھرنے لگ گئی - تو دوسرے بچوں نے بھی اس کو دیوی کہنا شروع کر دیا - بچوں کا قاعدہ ہے - کہ سب کا جوٹھا کھا پی لیتے ہیں - مگر یہ کسی کے جوٹھے گلاس میں پانی تک نہیں پیتی تھی - ہوش سنبھال کر یہ اتنی صفائی پسند نکلی - کہ گلی محلے کی اس عمر کی کوئی لڑکی اتنی صاف نہیں رہتی تھی - جب ذرا اور سیانی ہو گئی - تو میں کبھی کبھی ہنسی دل لگی کے طور پر کہہ دیتا تھا - فاطمہ! تجھے دیا جی کے گھر جانا ہے - فاطمہ اس بات کو سن کر چپ ہو جاتی تھی مجھے آپ کا پہلے ہی سے خیال تھا - جب آپ آریہ ہو گئے - تو مجھے بڑا افسوس ہوا - جب ایک دفعہ آپ لائل پور آئے تھے - میں اس وقت لائل پور کے گاؤں منیانوالہ میں کام کرتا تھا - میں نے آپ کا گھر میں ذکر کیا - تو فاطمہ نے ضد کی کہ میاں چلو - اس سے ملنے لائل پور چلیں - میں نے کہا - نہیں ابھی ہم اس سے نہیں ملینگے - جب وہ مسلمان ہو جائیگا تب ہم اس سے ضرور ملینگے - پھر جب ہم نے یہ سنا - کہ آپ مسلمان ہو کر لاہور چھوڑ کر لدھیانہ چلے گئے ہیں - تب

میں نے مینیانوالہ میں کارخانہ بند کر دیا۔ اور لدھیانہ جا کر
رہائش اختیار کر لی۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا۔ کہ جب اِس کے
سامنے آپ کا ذکر ہوتا تھا۔ تو یہ بہت خوش ہوتی تھی
رحمت کی والدہ نے بھی اس بات کو غور سے دیکھا۔ آخر
ہم نے آپس میں مشورہ کیا۔ کہ آپ کے ساتھ بات
چیت کی جائے۔ مگر کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ رحمت کی
والدہ نے مشورہ دیا۔ کہ آپ کو کھانے کی دعوت دی
جائے۔ میں نے اور رحمت کی والدہ نے فاطمہ سے کہا۔
کہ اس کو (آپ کو) کھانا کھلانا ہے۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ
وہ (فاطمہ) آپ کے لئے چپاتی بنائے۔ فاطمہ اس بات کو
سنکر بے حد خوش ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ہماری دعوت
قبول کر لی۔ مگر صرف دو چار لقمے کھا کر چلے گئے۔ اور بات
چیت کا موقع نہ ملا۔ تو فاطمہ کچھ اداس رہنے لگ گئی۔
یہاں تک کہ وہ بیمار ہو گئی۔ ہم نے نتیجہ نکالا۔ کہ اس کے
دل میں آپ سے محبت ہے۔ ہم نے مناسب خیال کیا۔ کہ آپ
سے کھلے الفاظ میں گفتگو کی جائے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ
یہ نکلا۔ کہ آپ نے ہاں کر لی۔ اور جب میں نے اِس
ہاں کی پکی نشانی یعنی ململ کا تھان گھر میں جا کر دیا۔ اور
کہا۔ کہ وہ (آپ) فاطمہ کے ہاتھ کا ناپ چاہتا ہے
تاکہ وہ فاطمہ کے لئے پکی نشانی دے۔ اس بات کو
سنکر فاطمہ بے حد خوش ہوئی۔ اور اس نے فوراً تاگا لوہے

کا ایک کڑا دیکر کہا۔ ماں یہ میرے ہاتھ کا ناپ ہے۔ پھر
جب آپ اس لوہے کے کڑے کو لیکر ہمارے گھر آئے۔ اور
فاطمہ نے آپ کو دیکھا۔ تو وہ خوب ہنسی۔ اور کہنے لگی۔
دیکھو۔ اتنی دفعہ بلایا۔ مگر نہیں آیا۔ اب کس طرح بھاگا
بھاگا آیا۔ فاطمہ بہت خوش رہنے لگ گئی۔ اس کی صحت بھی
خوب بحال ہو گئی۔ آخر خدا نے یہ دن دکھا دیا۔ کہ آپ
کو فاطمہ سے اور فاطمہ کو آپ سے ملا دیا۔ میرا یہ وعدہ بھی
جو میں نے آپ کے بڑے بھائی میاں جی محمد عبد اللہ کے ساتھ
کیا تھا۔ کہ اگر لڑکی ہوئی۔ تو ان کی۔ خداوند کریم نے پورا
کروا دیا۔ اور میں اس امانت سے سبک دوش ہو گیا۔

(۳)

جب میاں صاحب انوار کے متعلق یہ بیان دے چکے۔ تو میں نے
پوچھا۔ کیا آپ اپنی یاد داشت پر زور ڈال کر یہ بتا سکتے
ہیں۔ کہ آپ کی صاحبزادی کس مہینے کی کس تاریخ کو پیدا
ہوئی تھی۔ اور کونسا سال تھا؟ میاں صاحب نے کہا۔ بالکل
ٹھیک تو نہیں کر سکتا۔ مگر جہاں تک میری یاد داشت کام
دیتی ہے۔ یہ ۱۹۰۹ء کی اپریل کا آخری ہفتہ تھا۔ میں نے
اس کو نوٹ کر لیا۔ میاں صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔ آپ
اس سے کیا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں یہ پھر
کبھی بتا سکوں گا۔ کہ آپ کے گھر میں کس دیوی کی روح نے
جنم لیا۔ اور کیوں جنم لیا؟ اور وہ کہاں سے آئی۔ اور کیوں آئی؟

میاں صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ کی یہ باتیں میرے لئے معما ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ عالم روحانیات کے اسرار ہیں۔ جن کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ جب میاں صاحب چلے گئے۔ تو میں نے اپنی ایک پرانی نوٹ بک نکالی۔ جس میں سروج کے انتقال کی تاریخ۔ مہینہ اور سال درج تھا۔ ۹ ماہ اور ۱۰ دن اس میں سے خارج کر کے فاطمہ کی پیدائش کی تاریخ ۲۲۔اپریل سنہ ۱۹۰۹ء نکلتی تھی۔ اس لحاظ سے شادی کے دن فاطمہ کی عمر ۱۶۔سال۔۳۔ماہ۔ اور ۵ دن ہوتی تھی۔ مگر نکاح نامہ میں عمر اندازاً ۱۶ سال اور ۶ ماہ لکھ دی گئی تھی۔ اس میں ۲ ماہ اور ۲۴ دن کی زیادتی تھی۔ ممکن ہے۔ یہ زیادتی اس لئے سہواً ہو گئی ہو۔ کیونکہ بعض نوشتوں میں یہ آیا ہے۔ کہ روح استقرار حمل کے تین ماہ کے بعد رحم مادر میں نزول فرماتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اس عرصہ میں روح عالم برزخ میں رہتی ہے۔ جس کا کوئی خاص مقام نہیں۔ بلکہ تمام عالم بالا اس کے لئے برزخ ہوتا ہے۔ روح جس قدر کثافت سے پاک ہوتی ہے۔ اسی قدر وہ عالم برزخ میں بلند سے بلند تریں مقام تک پرواز کر سکتی ہے۔ چنانچہ انوار نے اپنے بیان میں جو یہ کہا ہے۔ کہ وہ ایک روشن ستارہ میں گئی۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ عالم ارواح کے اس برزخی طبقہ میں لے جائی گئی۔ جس کو دیوتاؤں یا قدوسیوں کا طبقہ کہا جاتا ہے۔ جہاں سے انوار نے سروج کی شکل میں مجھے پیام دیا تھا۔

جس کو میں اسی داستانِ غم کے نمبر   صفحے میں مفصل درج کر آیا
ہوں۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ کہ ہر ایک روح کو جسم سے علیحدگی کے
بعد دوبارہ اس دنیا میں جسم دیا جاتا یا مُردوں میں سے زندہ
کیا جاتا ہو۔ یہ معجزانہ پیدائش اپنا خاص موقع و محل رکھتی ہے۔ مگر
یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ ہر ایک روح کی قیامت ہوتی ہے۔ وہ
جسم کے ساتھ اور بلا جسم بھی ہوتی ہے۔ کوئی روح اُس سے
مستثنےٰ نہیں کی جا سکتی۔ یہ قادرِ مطلق کی مشیت تھی۔ کہ وہ
قیامت کا راز بھی مجھ پر منکشف کرتا۔ جبکہ اس نے ممدوح کی
روح کی جسم کے ساتھ قیامت کی۔ اور بجائے ایک روگی اور
زندہ درگور جسم کے اسکو قیامت کا جسم دیا۔ جو اپنے جلال
اپنے جمال اور حسن میں بے نظیر ہُوا۔ میں یہ سب اعداد و شمار
قلم بند کر کے اس پلنگ پر جو میرے بڑے دفتر میں بچھا رہتا
تھا۔ اور جس پر میں ذرا آرام کرنے کے لئے لیٹ جاتا
تھا۔ لیٹ گیا۔ میں چونکہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اس لئے
پلنگ پر لیٹنے کے ساتھ ہی میری آنکھ لگ گئی۔ اور میں گہری
نیند میں سو گیا۔ مجھے نہیں معلوم میں کتنی دیر سویا۔ مگر جب
مجھے سوئے بڑے زیادہ دیر ہو گئی۔ تو گھر میں مشورہ ہوا
کہ کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔ مجھے جگایا جائے۔ مگر جگائے
کون؟ آخر طے پایا۔ کہ فاطمہ ہی جائے۔ اور جگائے۔ چنانچہ
انوار دبے پاؤں میرے دفتر میں آئی۔ اس نے دیکھا۔ کہ
میں نیند میں بدہوش ہوں۔ پہلے تو اسکو حوصلہ نہ ہوا۔ کہ

مجھے جگا دے'۔ مگر پھر یہ خیال کرکے کہ میں بھوکا سویا ہوں
اور میری انتظاری میں باقی سب بھی بھوکے بیٹھے ہیں۔ وہ آہستہ
سے اس کرسی پر بیٹھ گئی۔ جو میرے پلنگ کے ساتھ اس طرح
لگی ہوئی تھی۔ جس طرح ڈکٹر وارڈ میں میری کرسی سروج کے
پلنگ کے ساتھ لگ رہی تھی۔ جبکہ وہ بیماری کی حالت میں
کلوروفارم کے اثر میں مدہوش پڑی تھی۔ انوار نے نہایت
آہستہ سے میرے ہاتھ کو اپنے نازک ہاتھ میں لیکر بوسہ دیا۔ اور
اس کو اپنے گلابی آتشیں رخسار کے ساتھ لگا لیا۔ میری آنکھ
کھل گئی۔ انوار کے یاقوتی لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ جبکہ وہ میرے
ہاتھ کو اپنے رخسار سے لگائے ہوئے تھی۔ میں نے اسکی طرف
اپنی نیند بھری آنکھوں سے دیکھا۔ اور کہا۔ پیاری لڑکی!
قرآن مجید میں لکھا ہے۔ کہ چور اور چورنی کا ہاتھ کاٹ
ڈالنا چاہئے۔ او خوبصورت دوشیزہ۔ تو نے چوری چوری
میرے ہاتھ کو چوما۔ تیری سزا یہی ہے۔ کہ تیرا یہ نرم و نازک
ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ انوار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا
کہ دل کے کٹ جانے کے بعد اب اس ہاتھ کی کیا حیثیت ہے۔
لیجئے۔ ہاتھ حاضر ہے۔ کاٹ ڈالئے۔ یہ وہی الفاظ تھے
جو لاہور میں میرے دفتر میں بیٹھی ہوئی سروج کی زبان
سے نکلے تھے۔ جبکہ وہ میرے لئے سیب تراش رہی تھی۔ میں نے انوار
کے چینی کی سی گڑیا کے نرم و نازک اور خوبصورت ہاتھ کو
اپنے ہاتھ میں لیکر بوسہ دیا۔ اور اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

اور کہا - عزیزلز جان! جہاں مرضی ہے لے چلو - انوار نے
کہا - کب سے سو رہے ہو - کھایا بھی کچھ نہیں - کھانا تیار ہے
چلئے - میں نے پوچھا - کھانا بنایا کس نے ہے؟ انوار نے کہا -
کچھ اماں نے بنایا - کچھ میں نے - میں نے پوچھا - آپ نے کیا بنایا
ہے؟ انوار نے کہا - میں نے تو آپ کے لئے چپاتیاں بنائی ہیں
میں نے مسکراتے ہوئے کہا - نیاں کے گھر میں چپاتی کھلا کر
تو آپ نے اپنے آپکو گھائل کر لیا تھا - آج اپنے ہاتھ کی
بنائی ہوئی چپاتی کھلا کر مجھے گھائل کر دگی؟ اچھا چلئے - میں
چلتا ہوں - چنانچہ میں اس کا ریشم کا سا نرم ہاتھ اپنے
ہاتھ میں لئے دفتر سے باہر آیا - باورچی خانہ میں ایک طرف میز
کرسی لگی تھی - میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا - ماں نے میرے ہاتھ
دھلائے - دوسری کرسی پر انوار بیٹھ گئی - ماں نے میرے
آگے کھانا لاکر رکھ دیا - میں نے ماں سے کہا - ماں! آج میاں
صاحب کی زبانی معلوم ہوا - کہ آپ کی بیٹی دیوی ہے - ماں نے
کہا - ہاں یہ دیوی ہی تو ہے - میں نے کہا - یہ آپ کے گھر کیسے
آگئی؟ میں تو سمجھتا تھا - کہ میں ہی دیوتا تھا - جو مسلمان
کے گھر پیدا ہوکر دیوتاؤں میں چلا گیا تھا - اور وہاں سے
ایک دیوی ساتھ لے آیا تھا - اب یہ دوسری دیوی کہاں
سے میری تلاش میں آپ کے گھر سے ہوکر میرے گھر میں آگئی؟
میں نے سنا ہے - یہ کیسی بہن بھائی کے جو مجھے گلاس میں پانی
تک نہیں پینی - اچھا تو پہلے اس کو مسلمان بنایا جائے گا -

میں اس کو مسلمان بنانے کا منتر پڑھتا ہوں۔ ماں نے کہا
مسلمان بنانے کے لئے تو کلمہ پڑھایا جاتا ہے۔ منتر تو کوئی
نہیں پڑھتا۔ میں نے کہا۔ کلمہ تو ہندو کو مسلمان بنانے کے
لئے پڑھا جاتا ہے۔ مگر یہ تو ہندنی نہیں ہے۔ اس لئے
ایسی دیوی کو مسلمان بنانے کا منتر الگ ہے۔ اچھا۔ آپ
سب غور سے سنو۔ میں منتر پڑھتا ہوں:-

اوم ۔ سَا ۔ نَا ۔ وَ ۔ اَوْ ۔ تُو
سَہا ۔ نَا ۔ وُ ۔ بَھنکت ۔ تُو
سَہا ۔ وِ ۔ یر ۔ یَم ۔ کَراوَا ۔ وَھی
تیجس ۔ اَسوُ ۔ نَی ۔ نَام ۔ وَدِھیتَم ۔ اَستُو
مَا ۔ وِدوِ ۔ شَا ۔ وَا ۔ ھِی

جب یہ منتر پڑھا جا رہا تھا۔ تو سب ہنس پڑے۔ کہ یہ جنوں
بھوتوں کی بولی ہے۔ مگر انوار بڑی سنجیدہ تھی۔ میں نے کہا
اب اس کا ترجمہ غور سے سنو:-

ہم ۔ سب ۔ کو ۔ آپس ۔ میں ۔ مل کر ۔ رہنا چاہئے
ہم ۔ سب ۔ کو ۔ آپس ۔ میں ۔ مل کر کھانا پینا چاہئے
اس طرح مل کر رہنے اور مل کر کھانے پینے سے طاقت بڑھتی ہے
دنیا میں اتفاق کی بدولت ہمارا رعب داب پڑتا ہے
اور اس طرح مل جل کر کھانے پینے سے ہم میں دویدھا یا
حقارت و نفرت پیدا نہیں ہوتی۔

منتر کا ترجمہ سن کر ماں نے کہا۔ یہ تو بالکل اسلام کی ہی تعلیم ہے۔

میں نے کہا - ہاں انیق جان یہ اسلام کی ہی تعلیم ہے - ہماری برادریوں نے اس کا نام "گوٹ کنالا" رکھ چھوڑا ہے - وہ رسم کے طور پر ایک دن کے لئے آپس میں بیٹھ کر کھا لیتے ہیں - اور پھر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں - اب میں ایک منتر آپ کی صاحبزادی اس دیوی کو سناتا ہوں - اس کے بعد ہم دونوں اکٹھے مل کر کھائیں گے - وہ منتر یہ ہے :-

من - تو - شدم - تو - من - شدی
من - جان - شدم - تو - تن - شدی
تا - کس - نگوید - بعد - از این -
من - دیگرم - تو - دیگری -

اب آپ کی صاحبزادی جو میرے پاس بیٹھی ہے - اس کا مطلب سن لے :-

میں - انوار - بن گیا - ہوں - اور - انوار -
غازی محمود - بن گئی ہے - میں - جان - بن
گیا ہوں - اور انوار - میری جان بن گئی
ہے - تا - کہ - اس کے بعد - کوئی - یہ - نہ
کہہ سکے - کہ مجھ میں اور میری انوار میں فرق ہے

حال نے اس کو بہت غور سے سنا - میں نے انوار سے کہا - جانِ من اور ایمانِ من - آؤ - ہم مل کر کھانا کھائیں - میں نے اپنے ہاتھ سے انوار کو اور انوار نے اپنے ہاتھ سے مجھے کھلایا - اور پھر ہم دونوں نے مل کر کھانا کھایا -

(۴)

اسی طرح ہنسی مذاق اور زندہ دلی کے ساتھ انوار پر زندگی کے اسرار کا انکشاف کرتے ہوئے دن گذر گیا۔ مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ نماز سے فارغ ہو کھانا کھایا۔ ماں۔ انوار کی چھوٹی بہن اپنے گھر کو اور میری بیٹی اپنی امی جان کے پاس چلی گئی۔ آج انوار کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کہ اس نے کہاں سونا ہے۔ وہ جلد جلد ہی میں جا کر میری میز کرسی کے ساتھ لگتے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ کل تو آپ نے مجھے جلدی سلا دیا تھا۔ مگر آج جب تک آپ مجھے وہ راز نہیں بتا دینگے۔ جس کے لئے آپ نے کل آنسو بہائے تھے۔ میں آپ کو سونے نہیں دونگی۔ میں نے کہا۔ یہ راز تمہاری ہی زندگی کا راز ہے۔ تم نے خود ہی کہا تھا۔ کہ تم نے مجھے کسی پہاڑ کی چوٹی پر بنگلہ میں دیکھا اور مجھے کھانا کھلایا تھا۔ اس کے بعد تم کسی روشن ستارے میں چھپ گئی تھیں۔ اور پھر تمہیں کچھ ہوش نہ رہا۔ کہ کیا ہوا۔ اب جب تم اس پر زیادہ غور کرو گی تو تم کو یاد آ جائیگا۔ کہ تم موت کی کھائی میں سے گذر کر اور پریم و محبت کے سمندر کو عبور کر کے مجھ تک پہنچی ہو۔ تم ہندو تھیں۔ نہ میں ہندو تھا۔ تم درحقیقت دیوی تھیں اور میں دیوتا تھا۔ مگر ہم ایک قانونی نقص کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ میں جنم سے مسلمان تھا۔ تم نے اس صدمے سے کہ ہماری شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ اپنے پران تیاگ

دے۔ مگر تم نے خدا سے دعا مانگی تھی۔ کہ وہ تم کو دوبارہ اِس دنیا میں زندہ کر کے میری رفیقہ حیات بنائے۔ چنانچہ تم مُردوں میں سے زندہ ہو کر میرے پاس آگئی ہو۔ اب ہم جس قانون کے تابع ہیں۔ اُس میں کوئی نقص نہیں۔ مجھے ایک بات کا باربار خیال آتا ہے۔ کہ میں تمہارا مقروض ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تمہاری طرف سے میرے سر جو سالہا سال سے قرض اور اس پر سود چلا آرہا ہے۔ اس کو ادا کردوں۔ اسپر انوار نے ہنس کر کہا۔ میری تو آپ کے سر نہ قرض ہے۔ نہ سود۔ میں نے کہا۔ انوار! تم بھولتی ہو۔ تمہارا بہت بڑا قرض مع سود میرے ذمہ چلا آرہا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ فی الحال تمہارا سود ادا کردوں۔ انوار نے پوچھا وہ کیسے؟ میں نے کہا۔ ہمارا آپس کا پریم ہم دونوں کا مشترکہ زر اصل ہے۔ وہ تو رہنا چاہئے۔ مگر اس زر اصل پر تم پہلے اور اب بھی میری دیدہ بوسی کر کے میرے سر پر سود ڈال دیتی ہو میں چاہتا ہوں۔ آج تمہارا یہ سود تمکو دیدوں۔ یہ کہکر میں نے انوار کی دیدہ بوسی کی۔ جبکہ وہ بے اختیار ہنس رہی تھی میں نے کہا۔ دیکھو! مجھے اسکی رسید دو۔ کہ سود وصول پایا۔ انوار نے بے تحاشا ہنستے ہوئے میری آنکھوں اور پیشانی کو شکر ٹیکہ سی بنا دیا۔ اور کہا۔ کیوں رسید مل گئی نہ۔ میں نے کہا نہیں۔ یہ کچی رسید ہے۔ ٹکٹ لگاکر پختہ رسید دو۔ انوار نے اسی طرح ہنستے ہوئے میرے رُخساروں کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ یہ پختہ رسید ہوگئی۔ میں نے کہا۔ بس یہ ٹھیک ہے۔ اب جاؤ۔ آرام سے سو جاؤ

باب دوازدہم

چوتھی فصل

تیسری رات

افشاء راز

(۱)

میں رات کے بارہ ایک بجے تک لکھتا رہا۔ انوار اپنے پلنگ پر میٹھی نیند سو رہی تھی۔ جب میں مضمون ختم کر چکا۔ تو میں اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ گیا۔ اور بہت جلدی سو گیا۔ صبح کو جب موذن کی آذان میرے کان میں آئی۔ تو میں نے انوار کو آواز دی۔ نورِ نظر! خدا کا منادی صدا دے رہا ہے۔ کہ نماز سونے سے بہتر ہے۔ جاگو۔ وضو کرو ہم اپنے خالق کے حضور میں حاضری دیں۔ چنانچہ انوار جاگ پڑی۔ ضروریات سے فارغ ہو کر ہم دونوں مصلے پر پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے۔ ہم نے نماز ادا کی۔ اور دعا مانگی۔ اس کے بعد کچھ دیر ضروری مضامین پر گفتگو ہوتی رہی۔ ماں اور انوار کی چھوٹی بہن ابھی نہیں آئی تھیں۔ انوار خود باورچی خانہ میں چلی گئی۔ میں اس سے اجازت لیکر

سیر کیلئے باہر نکلا ہی تھا۔ کہ اتنے میں ماں جی آ گئی۔
میں حسب معمول دریا کے کنارے کئی میل تک اپنے خیالات
میں محو سیر کرتا چلا گیا۔ جب میں سیر سے واپس آیا۔
تو میں نے دیکھا۔ کہ میرے مکان کی ڈیوڑھی کے دروازے
کے سامنے ایک چھابڑی فروش کھڑا ہے۔ اس کو معلوم
ہو گیا تھا۔ کہ میں نے نئی شادی کی ہے۔ وہ مجھے مبارک
باد دینے کے بعد کہنے لگا۔ بابو جی! میں آپ کیلئے۔ لپ سٹک
فیس پوڈر۔ سنو کریم وغیرہ لایا ہوں۔ میں یہ سن کر بے اختیار
ہنس دیا۔ میں جانتا تھا۔ کہ اس کا دراصل مدعا کیا ہے
میں نے کہا۔ میاں! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ مگر تم
دیکھتے ہو۔ میرے ہونٹ۔ میرے رخسار تم سے کتنے
اچھے ہیں۔ ان چیزوں کی تمہیں ضرورت ہے۔ ذرا اپنے
ہونٹوں پر لپ سٹک جماؤ۔ اور رخساروں پر سرخی لگا
کر دکھاؤ۔ مگر جب تم خود ان چیزوں کا استعمال نہیں
کرتے ہو۔ تو میں کیوں کروں۔ چھابڑی فروش جھینپ
گیا۔ کہنے لگا۔ بابو جی! یہ چیزیں تو عورتوں کے استعمال
کی ہیں۔ میں نے کہا۔ تو یوں کہو نہ۔ پھر تم نے کیوں
کہا تھا۔ کہ میرے لئے یہ چیزیں لائے ہو۔ میرے گھر
میں کوئی ایسی بیوقوف عورت نہیں ہے۔ جو ان چیزوں
کا استعمال پسند کرے۔ ان چیزوں کا استعمال تو وہ
جاہل عورتیں کرتی ہیں۔ جن کی قدرتی سرخی ختم ہو چکی ہے

اور وہ اس مصنوعی طریق سے اپنے خاوندوں کا دل بہلانا چاہتی ہوں۔ اور پھر وہ خاوند بھی کتنے احمق ہیں۔ جو اپنی بیویوں کو اس ریاکاری کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ چیزیں تو یوروپ اور امریکہ کی آبرو باختہ تہذیب کے چونچلے ہیں۔ تم یوروپ اور امریکہ کے ایجنٹ بن کر ہمارے گھروں میں ریاکاری کا یہ سامان پہنچا کر بہت ہی بڑا گناہ کرتے ہو۔ اگر تم نے چھابڑی بیچنی ہے۔ تو بچوں کے لئے مکھن کی ٹکیہ لاؤ۔ گرم گرم چنے، پھل۔ موتی چور کے لڈو لاؤ۔ جن میں غذائیت تو ہے۔ جن نامراد چیزوں کو تم لاتے ہو ان میں نہ غذائیت ہے۔ نہ بھوک دور کرنے کا سامان میرے اس لیکچر کو سن کر چھابڑی فروش نے کہا۔ بہت اچھا۔ بابوجی۔ میں کل سے ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا۔ تو میرا اور تمہارا آج کا سودا بہت اچھا رہا۔ اچھا سلام یہ کہہ کر میں نے گھر کے دروازہ کے اندر قدم رکھا۔ میں نے دیکھا۔ برآمدے میں گڑی انوار میری گفتگو کو سن رہی تھی۔ مجھے دیکھتے کیسا نہ ہی پوچھا۔ یہ صبح ہی صبح کس سے جھڑپ ہو رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ایک چھابڑی فروش کو ایڈریس دے رہا تھا۔ وہ کم بخت ہونٹوں پر ملنے کیلئے لپ سٹک اور رخساروں پر ملنے کیلئے سرخی پاؤڈر اور فینس کریم لے کر آیا تھا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے ان سرخ ہونٹوں کے سامنے لپ سٹک کی

کوئی حیثیت ہے۔ اور کیا کشمیری سیب کی قدرتی سرخی لئے ہوئے تمہارے رخساروں کو سرخی پاؤڈر تل کر بدصورت کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیزیں تو بے ذہن اور بد سلیقہ عورتوں کے ہیں۔ ہمارے نبیؐ پاک نے مرد یا عورت کو اپنے بالوں یا رخساروں کی اصلیت کو چھپانے کے لئے کسی قسم کا خضاب یا سرخی پاؤڈر کی اجازت نہیں دی۔ یہ تلقین کرتا ہوا میں الوار کے ساتھ ساتھ باورچی خانہ میں گیا۔ جہاں ماں چار ناشتہ تیار کر چکی تھی۔ میں نے حسب معمول ماں کو سلام مسنون کر کے کہا۔ امی جان! یہاں ذرا پتا جی کو پرنام کر آؤں۔ چنانچہ یہ کہہ کر میں سیر کے کپڑوں میں ملبوس اوپر کی منزل پر گیان کے پاس پہنچ گیا۔ اس کو سلام کیا۔ اور خیر و عافیت پوچھی۔ وہ چرخہ کات رہی تھی۔ کہنے لگی۔ چائے تیار ہے۔ پی لو۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ چنانچہ جب میں چائے پی رہا تھا۔ تو گیان نے سوال کیا۔ کہ رات کیسے گذری میں نے جواب دیا۔ یادِ خدا میں۔ گیان اس پر ذرا مسکرائی۔ کہنے لگی۔ صرف یادِ خدا میں۔ یا خدمتِ خلق میں بھی۔ میں اس کے اشارہ کو سمجھ گیا۔ میں نے کہا۔ یادِ خدا بہترین خدمتِ خلق ہے۔ میں گیان کے سوال کی تہ کو پہنچ گیا تھا۔ کتنی نکتہ رس عورت ہے۔ اور کس طرح باریک سے باریک سوال کر جاتی ہے۔ یہ تو اس کی میرے حال

بہ کمال شفقت تھی۔ کہ اس نے مجھے رات کی حاضری سے سبکدوش کر دیا تھا۔ ورنہ میرے جیسا خدا دوست النسان زاہد شب زندہ دار بن کر ختم ہو گیا ہوتا۔ بیما بانو بیوی کو سلام کر کے نیچے آیا۔ سیر کے کپڑے اتار۔ نہا دھو کر ناشتہ کر کے دفتر میں جا بیٹھا۔ اتنے میں میاں صاحب بھی تشریف لے آئے۔ سلام مسنون کے بعد کل کے راز کے متعلق پوچھنے لگے۔ کہ وہ کیا بات تھی۔ میں نے ان کو کچھ مختصر سا حال سنا دیا۔ میاں صاحب حیران ہو کر مسکرائے کہنے لگے۔ میں چاہتا ہوں۔ آج فاطمہ کو لے جاؤں۔ میں نے کہا۔ یہ آپ کی مرضی ہے۔ اپنی صاحبزادی سے پوچھ لیجئے۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے۔ اور انوار سے پوچھا "فاطمہ! چلنا ہے؟" انوار نے متعجب ہو کر پوچھا "میاں! کہاں؟" میاں صاحب نے فرمایا۔ "اپنے گھر"۔ اس پر انوار نے نہایت پُر معنی جواب دیا۔ "میاں! میرا گھر یہ ہے۔ یا وہ؟" میاں صاحب مسکرا کر کہنے لگے۔ "بیٹی! اب تیرا گھر تو یہی ہے۔ مگر اپنے پُرانے گھر کو بھی دیکھ لینا چاہیئے"۔ انوار نے فوراً جواب دیا۔ "میاں! میں ضرور چلونگی۔ مگر رات اپنے اسی گھر میں ہی رہونگی" میاں صاحب سمجھ گئے۔ کہ ان کی صاحبزادی کتنی دور اندیش ہے۔ انوار سے مل کر میاں صاحب پھر دفتر میں تشریف لائے۔ میں نے پوچھا فرمائیے۔ صاحبزادی نے کیا جواب دیا۔ میاں صاحب نے فرمایا

خاطر دو تین گھنٹے کے لئے میرے ساتھ جائیگی۔ اور عصر
کی نماز کے وقت واپس آجائیگی۔ یہ اطلاع دے کر میاں صاحب
اندر چلے گئے۔ اور انوار میرے پاس دفتر میں آئی۔ اور میاں
صاحب سے جو گفتگو ہوئی تھی۔ مجھے سنا کر جانے کی اجازت
مانگی۔ میں نے کہا۔ اجازت ہے۔ مگر میرا دل ساتھ لئے جا
رہی ہو۔ اس کا خیال رکھنا۔ اس پر انوار نے شرارت بھری
مسکراہٹ کے ساتھ میرے کان کے پاس منہ لاکر کہا۔ "مگر میں
بطور ضمانت کے اپنا دل آپ کے پاس چھوڑ چلی ہوں"۔ یہ
کہکر اس نے میرے رخسار کا بوسہ لیا۔ پیشتر اس کے کہ میں
قصاص لیتا۔ وہ جنگلی ہرنی کی طرح بھاگ گئی۔ پندرہ بیس
منٹ کے بعد وہ کپڑے بدل۔ برقع اوڑھے میاں صاحب
کے ساتھ میرے دفتر میں آئی۔ میاں صاحب نے پوچھا۔ اجازت
ہے؟ میں نے کہا۔ بڑی خوشی سے اجازت ہے۔ میاں صاحب
آگے چلے۔ انوار پیچھے تھی۔ جب دفتر کے دروازہ کو عبور
کر کے ڈیوڑھی میں قدم رکھا۔ تو انوار نے پیچھے مڑ کر
میری طرف دیکھا۔ اس نے ایک ہاتھ اپنے دل کی طرف
سینے پر۔ اور دوسرا اپنی پیشانی پر رکھ کر دو انگلیوں
سے مجھے سلام کیا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ کہ انوار
اپنا دل مجھے چھوڑ چلی ہے۔ اور کہ وہ صرف دو گھنٹے کے
لئے جا رہی ہے۔ میں نے چاہا۔ کہ میں اس کے ساتھ جاؤں
مگر پھر یہ خیال کر کے کہ باپ نے اپنی بیٹی سے دکھ۔ سکھ پوچھنا

ہوگا۔ میری موجودگی میں وہ مکمل کر بات چیت نہیں کر سکینگے۔ میں نے ساتھ جانے کے خیال کو دبا دیا۔ انوار نے ڈیوڑھی سے باہر قدم نکالنے سے قبل اپنا برقع چہرہ پر گرا لیا۔ ایک دو منٹ انتظاری کرنے کے بعد میں دفتر سے باہر آیا۔ میں نے دیکھا۔ انوار اپنے ابّا کے ساتھ بالسرور کے راج ہنس کی طرح خراماں۔ خراماں۔ جارہی ہے۔ مجھے یہ نظارہ اتنا بھلا معلوم ہوا۔ کہ جب تک وہ کوچہ کے موڑ پر میری نظر سے اوجھل نہ ہوگئی۔ میں اس کو دیکھتا رہا۔

۴

دوپہر کے کھانے کا وقت آگیا۔ میں نے انوار کی غیرحاضری کو محسوس کیا۔ کیونکہ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی تھی۔ امی جان نے مجھے بلایا کہ کھانا تیار ہے۔ کھا لیجئے۔ چنانچہ میں باورچی خانہ میں جاکر رسماً کرسی پر بیٹھ گیا۔ والدہ نے کھانا میرے سامنے رکھا۔ مگر جس طرح راج ہنس اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں کھانے دانے کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ مجھے بھی ایسا محسوس ہوا۔ گویا کھانا مجھے کھانے کے لئے منہ کھولے ہوئے ہے۔ میں نے ذرا سا ذائقہ چکھ کر اماں جی سے کہا۔ آج بھوک نہیں۔ ماں نے اس کو محسوس کیا۔ اور کہا۔ فاطمہ عصر سے پہلے آجائیگی۔ آپ کھانا تو کھا لیں۔ بھوکے رہنا ٹھیک نہیں۔ میں نے یہ خیال کرکے کہ ماں نے میرے راز کو پالیا ہے۔ بات کو ٹالنے کے لئے کہا۔ "امی جان! رفتن بہ ارادت۔ آمدن بہ اجازت۔

آپ کی صاحبزادی کو جب آنے کی اجازت ملیگی - تب ہی آسکے گی -
یوں کہنے کا وقت ٹال کر میں دفتر میں جاکر اپنے پلنگ پر لیٹ
گیا۔ اور تھوڑی سی دماغی کشمکش کے بعد مجھے نیند آگئی - اور
خوب سویا - عصر سے پہلے جب انوار نے گھر میں واپس آکر امی جان
سے پوچھا - "وہ کہاں ہیں؟" امان جی نے جواب دیا - وہ اپنے
دفتر میں سو رہا ہے - انوار فوراً اپنا برقع اتار ننگے پاؤں
دفتر میں پہنچی - دیکھا - کہ مزے کی نیند سو رہا ہے - میرے پلنگ
کے ساتھ تھی کرسی پر کل کی طرح آہستہ سے بیٹھ کر اپنے ریشم
کے سے نرم و نازک ہاتھ میرے رخساروں پر رکھ دئے - میں
جاگ پڑا - میں نے محسوس کیا - اس کے نرم ہاتھوں کی چھوٹی
چھوٹی نرم و نازک گداز سی انگلیوں کے پوروں میں سے
پیار اور محبت کی سب سے اثر کرنیوالی کرنٹ نکل رہی ہیں
میں نے اس کے دونوں گورے چٹے نرم و نازک ہاتھوں کو
اپنے ہاتھ میں لیکر آنکھوں سے لگایا - اور بوسہ دیا - اور
کہا - نور نظر! تم اتنی جلدی آگئیں - میں نے تو خیال کیا تھا
تم مغرب سے پہلے نہیں آؤ گی - اور شاید رات اپنے پرانے
گھر میں ہی کاٹو - انوار نے کہا - مجھے تو یہ دو گھنٹے بھی وہاں
گذارنے پہاڑ ہو گئے تھے - ہم نے چند سکھی سہیلیوں سے
مل کر بھاگنے کی ٹھانی - انہوں نے مجھے طعنہ بھی دیا - کہ تم دو
دن کے اندر ہی پیا کے ہاتھ بک گئی ہو - جس نے تم پر کیا
جادو کر دیا - کہ رسی تڑا کر بھاگی جا رہی ہو - وہ نہیں

دن تو ٹھہر جاؤ۔ جب تک وہ خود پہنچ نہ آئے۔ مت جانا۔
میں نے ان سے کہا۔ میں صرف دو گھنٹے کا وعدہ کرکے آئی
ہوں۔ وہ میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ میرے بغیر انہوں
نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ میں وعدہ خلافی نہیں کرسکتی
میں ابھی جا رہی ہوں۔ یہ کہکر میں کسی کی انتظاری کئے بغیر
میاں سے اجازت لیکر بھاگ آئی۔ میں نے کہا۔ رحمت کو تو
ساتھ لے لیا ہوتا۔ انوار نے کہا۔ رحمت گھر میں نہیں تھا۔ خدا
معلوم وہ کب آتا۔ اور میں وعدہ کے مطابق نہ آسکتی۔ تو
کتنا برا ہوتا۔ میں نے کہا۔ تم نے تو وہاں خوب زردہ پلاؤ
کھایا ہوگا۔ مگر یہاں سوکھا ٹکڑا بھی حلق میں اٹکتا دکھائی دیا۔
انوار نے کہا۔ قسم لے لیجئے۔ جو میں نے وہاں پانی کا گھونٹ
تک بھی پیا ہو۔ جیسی گئی۔ ویسی آئی۔ میں نے کہا۔ اچھا۔ اگر
تم نے وہاں پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ تو ابا جان سے پیٹ بھر
کر میری شکایات تو ضرور کی ہوں گی۔ اور کہا ہوگا۔ کہ
رات بھر بیٹھا کاغذ سیاہ کرتا رہتا ہے۔ خدا معلوم کیا
لکھتا ہے۔ انوار ابھی جواب دینے نہیں پائی تھی۔ کہ آسن
نے کہا۔ وہ دیکھئے۔ امی آرہی ہے۔ یہ کہکر وہ اپنے ہاتھ
چھڑا کر غزال رعنا کی طرح چوکڑی بھر گئی۔ مگر ماں کے
چلے جانے کے بعد وہ دوبارہ دفتر میں آگئی۔ اور کہنے
لگی۔ مجھے امی جان سے یہ جان کر بڑا افسوس ہوا۔ کہ آپ
نے میرے پیچھے کھانا بھی نہیں کھایا۔ چلئے ناشتہ تیار ہے۔

میں نے کہا۔ تمہاری سہیلیوں نے تو تم سے یہ کہا تھا۔ کہ میں نے تم پر
جادو کر دیا ہے۔ مگر ان کو یہ پتہ نہیں۔ کہ تم نے مجھ پر جادو کر رکھا
ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے بغیر کھانا پینا بھی اچھا نہیں لگتا۔ یہ کہ کر
میں انوار کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے باورچی خانہ پہنچ گیا۔ جہاں
میز پر چار ناشتہ قرینہ سے رکھا تھا۔ ہم دونوں حسب
دستور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور خوش گپیوں کے ساتھ
چائے پینے لگ گئے۔ امی جان ہماری محبت بھری گفتگو سن
کر خوش ہو رہی تھیں۔ باقی کا دن اسی طرح ہنسی مذاق
میں گذر گیا۔ سورج غروب ہو گیا۔ مغرب کی نماز کا وقت آگیا
ہم دونوں نے وضو کر کے مصلے پر پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر نماز
کی نیت باندھی۔ نماز سے فارغ ہو دعا مانگی۔ رات کے کھانے
کا وقت ہوا۔ کھانا کھایا۔ امی جان ہمیں کھانا کھلا کر انوار
کی چھوٹی بہن کو ساتھ لئے گھر کو روانہ ہو گئی۔ میری بچی
بھی اپنی امی جان کے پاس سونے کے لئے اوپر چلی گئی۔
میں اپنے بڑے دفتر میں چند ضروری خطوط کا جواب
دینے کے لئے بیٹھا رہا۔ میں نے انوار سے کہا۔ تم اپنے سونے
کے کمرے میں چلو۔ آرام کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ یہ
اشارہ پا کر انوار اسی حجلہ عروسی میں جو میرا سونے کا
کمرہ تھا۔ چلی گئی۔ ادھر دفتر کے کام سے فرصت پا کر
جب میں اس سونے کے کمرہ میں آیا۔ تو ہلا لائٹ ٹیبل
لیمپ جل رہا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ انوار سو گئی ہو گی۔

مگر وہ ابھی تک جاگ رہی تھی - میں نے کہا - نور نظر! تم ابھی تک جاگ رہی ہو - انوار نے کہا - کل آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے وہ راز بتائینگے - جو آپ کے آنسو بہانے اور مسکرانے کا باعث ہوا تھا - میں نے کہا - تو کیا تم نے اس راز کو ضرور جاننا ہے - انوار نے کہا - میں ضرور جانونگی - میں نے کہا بہت اچھا - میں بتا دونگا - مگر وعدہ کرو - کہ ڈر تو نہیں جاوگی؟ انوار نے کہا - جب آپ میرے پاس موجود ہیں - تو مجھے کس کا ڈر؟ میں نے کہا - بہت اچھا - تو سُن لو - کہ قرآن پاک میں خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے - کہ ہم تم پر دو قسم کی موت نازل کرتے ہیں - ایک تو وہ - جب تم سو جاتے ہو - اور تمہاری روح جسم سے بالاتر دُور دُور کی سیر کرتی اور پھر جسم میں موجود ہو جاتی ہے - اور تم بیدار ہو جاتے ہو - دوسری موت وہ ہے - جب روح کا جسم سے بالکل قطع تعلق ہو جاتا ہے - اور روح اس میں واپس نہیں آتی - مگر جو خدا چاہے - یعنی اگر خدا کی مرضی ہو - تو مردہ زندہ ہو سکتا ہے - مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں - کہ ہر ایک مُردہ زندہ کیا جائے - الا ایسا مردہ - جس کو خدا نے اپنے کسی نبی یا رسول یا کسی مخلص بندے کے اطمینان قلب کے لئے زندہ کرنا ہو - چنانچہ قادر مطلق خدا نے ایسا کیا - اور اس نے اپنے کسی نبی یا رسول یا کسی مخلص بندے کے اطمینان کے لئے مُردوں کی قیامت کا ثبوت دیا

عزیز از جان! تم سُن اور سمجھ رہی ہو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے
انوار نے کہا۔ میں سُن اور سمجھ رہی ہوں۔ میں نے کہا۔ بہت
خوب! اب تم یاد کرو۔ کہ تم نے کل مجھ سے کہا تھا۔ کہ تم نے
مجھے کسی پہاڑ کی چوٹی پر ایک ہوادار خوبصورت مکان میں
دیکھا۔ اور کہ تم نے میرے لئے کھانا بنایا۔ اور مجھے کھلایا۔
تمہارے دل میں میرے لئے محبت پیدا ہو گئی۔ اور کہ تم
کسی روشن ستارے میں چلی گئی ہو۔ اس کے بعد کیا ہوا
نہیں کچھ یاد نہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ انوار نے کہا۔ ہاں یہ
درست ہے۔ میں نے کہا۔ اچھا۔ تو پھر تم یہ بتاؤ۔ کہ تم نے
یہ جو کچھ دیکھا۔ وہ خواب تھا۔ یا حقیقت۔ انوار نے کہا۔
اس کے متعلق میں یہی کہہ سکتی ہوں۔ کہ میں نے یہ خواب
اس زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے کہا۔ تمہارا خیال
درست ہے۔ تو یہ خواب نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت تھی۔ کہ اس
زندگی سے قبل تم مجھ سے ملی تھیں۔ تم نے مجھے کھانا بھی
کھلایا تھا۔ اور تمہارے دل میں میرے لئے بے حد محبت
پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اس محبت کی ابھی تکمیل نہیں ہونے
پائی تھی۔ یعنی ہماری شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ہماری
شادی کے راستے میں ایک قانونی رکاوٹ تھی۔ جس کو ہم
اس وقت تک دور نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک کہ ہم اس
قانون کی زد سے نہ نکل جائیں۔ اور اپنے قانون کے تابع نہ
ہو جائیں۔ جو ہماری شادی کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالے

میں کسی ایسے قانون کی تلاش میں تھا - کہ تم اس دوران میں
اپنے پریم میں بے بس ہو کر بستر مرض پر پڑ گئیں - ہر چند
علاج کیا گیا - مگر تم کو شفا نہ ملی - یہاں تک کہ تم نے فرشتۂ
اجل کو لبیک کہا - اور میری محبت بھری آنکھوں سامنے یہ کہ کر
جان دیدی - کہ قادر مطلق خدا تمکو میری خاطر مُردوں
میں سے دوبارہ زندہ کریگا - اور تم کو میری خدمت کا موقع
ملیگا - چنانچہ قادر مطلق خدا نے تم کو مُردوں میں سے زندہ
کیا - اور تم کو اپنے محبوب کی آغوش میں لا بٹھایا - تم اس سے
پہلے بھی دیوی تھیں - اور اب بھی دیوی ہو - دیوی ہونے
کا تم نے بھی اقبال کیا - اور تمہارے ابّا جان نے بھی اس
کی تصدیق کی - تم سے اور تمہارے ابّا جان سے بڑھ کر میں
گواہ ہوں - کہ یہ ایسا ہی ہوا - نہ صرف تمہاری خاطر ایسا
ہوا - بلکہ میری خاطر بھی ایسا کیا گیا - کیونکہ میں اپنے دل
میں یہ شبہ رکھتا تھا - کہ اگر خدا قادر مطلق ہے - اور وہ
مُردوں کو زندہ کرتا ہے یا کریگا - تو وہ میری خاطر میری
پجارن کو زندہ کر دے - چنانچہ خدا نے مجھ سے بار بار
وعدہ کیا - کہ وہ میری پجارن یعنی تمکو زندہ کریگا -
یہ ہے وہ راز جس کو تم جاننا چاہتی تھیں - اسپر الخوا نے سرد
آہ بھر کر کہا - تو کیا میں مر گئی تھی - میں نے کہا - ہاں - تم مر گئی
تھیں - اور میں نے تمہاری مردہ لاش کو لاہور میں لکڑیوں
کے ڈھیر میں رکھ کر اور گھی ڈال کر جلا دیا اور خاکستر کو دریائے

راوی میں بہادیا۔

میرے بیان کو سُن کر انوار پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وہ خدا کے حضور سجدے میں گر پڑی۔ اس نے ایک نیم بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے خداوند لاہوت کو پکارا:۔

"اے میرے خالق! میرے مالک! میں کس مُنہ سے اور کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں تو نے اپنی اس کنیز کو مُردوں میں سے زندہ کیا۔ اور میرے محبوب سے جس کے لئے میں نے جان دی تھی۔ ملا دیا۔ اے قادرِ مطلق! تو لاہوت ہے۔ تو لاشریک ہے۔ زمین اور آسمان پر تیرا کوئی ثانی نہیں۔ تو زندگی اور موت کا مالک ہے میں روگی جسم کے ساتھ تیرے حضور میں آئی تو نے میرے روگ کو دور کیا۔ اور مجھ کو بہتر سے بہتر جسم دیا۔ میرا دل زخمی تھا۔ تو نے اس پر مرہم لگایا۔ میں نے تجھ سے زندگی مانگی۔ تو نے مجھے مُردوں میں سے زندہ کیا میں نے تجھ سے رو رو کر اپنا محبوب مانگا تو نے مجھ کو میرا محبوب دیدیا۔ تو نے مجھ کو پاک روحوں سے ملایا۔ اور روشن ستاروں میں پھرایا۔ میں تیرے حضور میں سربسجدہ ہوں۔ میں وہی ہوں۔ جس کو تو نے مارا۔ اور زندہ

گیا - تو میری زندگی ہے - میں زندہ ہو کر بھی
تیرے حضور میں مُردہ ہوں - تو میری پناہ
ہے - اور بہت اچھی پناہ ہے - تو مجھ کو برکت دے"
جب انوار نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ یہ دعا مانگ
رہی تھی - اور میں کرسی پر جھکا ہوا سرنگوں تھا - میری
آنکھوں سے اشک جاری تھے - یک لخت میرے سامنے
سے پردہ اٹھا - فارقلیط بے نقاب ہوا - اس نے اپنا
ایک ہاتھ میرے سر پر اور اپنا دوسرا ہاتھ انوار کے
سر پر رکھا - اور ہم دونوں سے ہم کلام ہوا :-
" اے میرے پاک بندو ! میری خوشنودی کے
طلبگارو ! تم نے میری رضا ڈھونڈی - میں
تم سے راضی ہوا - کیا میں نے نہیں کہا - کہ میں
تمہاری شاہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہوں
میں مضطر کی دعا کو سنتا ہوں - اور قبول کرتا
ہوں - تم دونوں نے اضطرار سے دعا مانگی
میں نے قبول کی - تم میں سے وہ جو میری پرستار
تھی - اور اب میرے سامنے سر بسجدہ ہے - اس
نے رو رو کر مجھ سے دعا مانگی - کہ میں اس کو
مُردوں میں سے زندہ کر دوں - اور اُس کے
محبوب سے ملا دوں - جس کے لئے اس نے جان دی
تھی - میں نے اس کو مُردوں میں سے زندہ کر کے

اس کے محبوب سے ملا دیا۔ تم میں سے دوسرے
نے جو ہر حالت میں میرا پرستار رہا۔ مجھ سے
چاہا۔ کہ میں اس کو دکھاؤں۔ کہ میں کیونکر مردوں
کو زندہ کرتا ہوں۔ تاکہ اسکا مجھ پر ایمان
عین الیقین اور حق الیقین کا درجہ حاصل کرے
وہ میرے سامنے بار بار رویا۔ میں نے اُسکی
آنکھوں کے سامنے اس کی پوجارن کو مار ڈالا
اور اب اس کی آنکھوں کے سامنے ہی اس کو
زندہ کر کے لے آیا۔ اب وہ اس کی ملکہ ہے۔ تم
دونوں میرے سامنے سر بسجدہ ہو۔ میں
تم کو برکت دیتا ہوں۔ میرے قدوسی تم کو
برکت دیتے ہیں۔ میں ہی روح الارواح ہوں
میں ہی نور الانوار ہوں۔ میں ہی لاہوت ہوں"
ہم دونوں کو برکات دیکر جبکہ ہم اس کے حضور میں سر بسجدہ
تھے۔ فارقلیط با نقاب ہوگیا۔ میں نے انوار کو سجدہ سے اٹھایا
اس کا چہرہ پُر جمال و پُر جلال تھا۔ وہ کسی قدر ڈر گئی تھی
میں نے اس کے آنسو پونچھے۔ اور اس کو اپنے محبت بھرے
بوسوں سے گرمایا۔ اس نے پوچھا۔ یہ اس نے کیا دیکھا
تھا۔ میں نے کہا۔ نور النظر! اس صفحہ زمین پر آج تم ہی واحد
دوشیزہ ہو۔ جس کو خدا نے مُردوں میں سے زندہ کیا۔ اور اپنے
محبوب سے ملا دیا۔ اب آرام و اطمینان کے ساتھ سو رہو۔

بابِ دوازدہم

پانچویں فصل

چوتھی رات

جَلؔ پَریؔ

۱

میرا خیال تھا۔ کہ اس راز کو جان کر جس کے جاننے کیلئے انوار نے اس قدر ضد کی تھی۔ انوار ڈر سے گی نہیں۔ مگر وہ ڈر گئی۔ بجائے اس کے وہ اس ڈر کی حالت میں میری طرف مدد یا تسلی کے لئے رجوع کرتی۔ اس نے خداء قادر مطلق کے حضور میں گریہ کیا۔ وہ بھی بطور شکوہ کے نہیں بلکہ بطور شکرانہ! کہ اس لایموت نے اس کو مُردوں میں سے زندہ کیا۔ یہ صحیح لائن تھی۔ جو انوار نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ فارقلیط کی مشیت کے تحت اختیار کی۔ اس نے مجھے اپنی دعا میں محبوب کا درجہ دیا۔ یہ مسئلہ کہ انوار کے جسم میں وہی روح ہے۔ جس کا میں اتنے عرصہ سے منتظر تھا۔ کہ وہ مُردوں

میں سے زندہ کرکے جاکر عالم ارواح سے عالم اجسام میں نمودار ہوئی۔ من کل الوجوہ مل ہو گیا۔ انوار کی اپنی زبان کی شہادت کے بعد اب کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس کو سو جانے کی ہدایت کی۔ اور وہ سو گئی۔ مگر میں کچھ دیر تک ان تاثرات کو قلم بند کرنے میں مصروف رہا۔ اس کے بعد میں خود بھی پلنگ پر جاکر لیٹ گیا۔ اور سو گیا۔ صبح کے وقت جب موذن نے صدا دی کہ نماز سونے سے بہتر ہے۔ میں جاگا۔ اور انوار کو بھی آواز دی۔ کہ نورِ نظر! خداد لایموت کے حضور میں حاضری دینے کا وقت آگیا ہے۔ ضروریات سے فارغ ہو اور وضو کرکے ہم مصلٰی پر پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے۔ میں نے نوٹ کیا کہ آج انوار کا چہرہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ نورانی اور روحانی تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ قدوسیوں نے عالم اجسام کی بجائے عالم روحانیات کی طرف اس کی توجہ کو پھیر دیا ہے۔ نماز اور دعا سے فارغ ہو کر میں نے عالم روحانیات کے چند اسرار کا اس پر انکشاف کیا۔ تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اس سطح ارض پر آسمان کے نیچے وہ واحد دوشیزہ ہے۔ جس کو فارقلیط نے بطور معجزہ کے زندہ کیا۔ اور میری تربیت میں دیا۔ تاکہ میں فارقلیط کی ہدایت کے تحت اس کی رہبری کروں۔ چند ضروری ہدایات

دے کر میں نے انوار سے کہا۔ کہ اب میں سیر کے لئے جا رہا ہوں۔ انوار نے کہا۔ آپ ذرا امی جان کی انتظاری کر لیں۔ اُن کے آنے کے بعد میں بھی آپ کے ساتھ چلو نگی۔ میں نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ میں سوٹڈ بوٹڈ ہو کر دفتر میں بیٹھا تھا۔ کہ اتنے میں امی جان بھی آگئی۔ انوار میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ امی آگئی ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلنے کے لئے ابھی آتی ہوں۔ ذرا سیر کے لئے میں بھی کپڑے پہن لوں۔ میں نہیں جانتا تھا۔ وہ سیر کے کون سے کپڑے پہنے گی۔ میں فل بوٹ کے ساتھ فل جراب اور نکر بھی پہنتا تھا۔ دو تین منٹ کے بعد انوار برقع اوڑھ کر آگئی۔ مجھے اس کے کپڑوں میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی تھی۔ ہم دونوں دفتر سے نکل گلیوں اور کوچوں میں سے ہوتے ہوئے اس سڑک پر پہنچ گئے۔ جہاں میاں صاحب کا مکان تھا۔ انوار مکان کی طرف نگاہ ڈال کر کہنے لگی۔ کہیں میاں نہ دیکھ لے۔ میں نے کہا۔ اگر دیکھ لینگے۔ تو کیا ہوگا۔ یہی کہینگے۔ کہ غازی محمود بیری بیٹی کو سیر کے لئے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ اگر تمہیں زیادہ خیال ہو۔ تو میں میاں صاحب کو خود کہ آتا ہوں۔ انوار نے کہا۔ آپ کیا کہینگے؟ میں نے کہا۔ میں یہ کہونگا۔ کہ میاں صاحب میں آپ کی صاحبزادی کو مجھتا لے چلا ہوں۔ اگر بمت

ہو - تو پکڑ لیجئے - اس پر انوار بے اختیار ہنس پڑی
اسی طرح ہنسی مذاق کرتے ہوئے ہم سلیمان کے پل
پر سے اتر کر ایک پگ ڈنڈی پر ہو لئے - کچھ ہندو
اِدھر اُدھر سنان پانی کر رہے تھے - ہم جلدی جلدی
آگے بڑھ گئے - کچھ اور آگے جا کر ہم نے دیکھا - کہ میدان
صاف ہے - انوار نے اپنے رخ انور پر سے برقع اٹھا دیا
جلدی جلدی چلنے سے اسکا چہرہ پسینہ سے شرابور
ہو رہا تھا - میں نے اس کے چہرہ پر نظر ڈالی - اور کہا
نور نظر! آج تمہارا چہرہ بہت خوبصورت اور نورانی
ہو رہا ہے - انوار نے مسکراتے ہوئے کہا - میرے چہرے
میں آپ کو اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے - جو بے حد نورانی
اور روحانی ہے - میں نے کہا - سبحان اللہ! کس ادا سے
اپنی اور میری تعریف کر دی - رفیقہ حیات ہو - تو آپ
جیسی ہی با مذاق ہو - انوار نے کہا - رفیق حیات بھی ہو - تو
آپ جیسا ہو - جو بیوی کی ہر بات کو مان لیتا ہو - میں نے
کہا - یعنی زن مرید ہو - انوار نے بے اختیار ہنستے ہوئے
کہا - زن مرید ہونا تو برا نہیں - ہاں رن مرید نہ ہو
میں انوار کے اس جواب پر پھڑک گیا - واہ! واہ - اے
سبحان اللہ ایک نقطہ پر کتنا باریک نکتہ پیدا کر دیا -
زن مرید ہو - مگر رن مرید نہ ہو - کیوں جناب - یہ زن
اور رن میں کیا بھید ہے - انوار نے اسی طرح مسکراتے

ہوئے کہا۔ زن بیاہتا بیوی اور زن اَیری - عیزی - میں نے اس پر انوار کو خوب داد دی - ہم اسی طرح سبز فرش پر قدم مارتے جا رہے تھے - کہ انوار نے میری طرف شوخی بھری نظر سے دیکھ کر کہا - جس طرح آج ہم اس سرسبز گھاس کو روندتے جا رہے ہیں - اسی طرح آپ نے کسی زمانہ میں میرے دل کو روندا تھا - یہ کہکر وہ ہنس پڑی - میں نے کہا - اسی لئے آج آپ مجھ سے انتقام لے رہی ہیں! میں نے کہا - بہتر ہے - کہ ہم اس مخملی فرش پر دوڑ لگائیں - انوار نے کہا - مجھے منظور ہے - دیکھیں کون آگے بڑھتا ہے - یہ کہکر انوار نے برقع لپیٹ کر مجھے دیدیا - ہم دونوں نے قدم ملایا - اور ایک - دو - تین کہکر دوڑ پڑے - میں نے ارادتاً انوار کو آگے نکل جانے دیا - تھوڑی دور آگے جا کر میں نے کہا - میں ہار گیا - انوار نے ہنستے ہوئے کہا - اچھا - اپنی ہار کا تاوان دیجئے - میں نے کہا - بتائیے - کیا تاوان لوگی؟ انوار نے میرا ہاتھ پکڑ لیا - اور کہنے لگی - ذرا پسینہ سوکھ جائے تو پھر بتاؤں گی - آپ ذرا یہاں بیٹھ جائیں - چنانچہ میں بیٹھ گیا - انوار نے کہا - آپ دیکھتے ہیں - سامنے دریا کا پانی کتنا بھلا نظر آتا ہے - اور یہ سبز فرش بھی کتنا پیارا ہے - یہاں دور تک کوئی انسان بھی دکھائی نہیں دیتا میں چاہتی ہوں - کہ آپ اس دریا کو پار کر کے دکھائیں - یہی

میرا ناداں ہے - میں نے حیران ہو کر کہا - ایمان من! یہ
کیسا ناداں ہے - آپ دیکھ رہی ہیں - میں تمہارے کے
لئے کوئی کپڑا نہیں لایا - انوار نے کہا - یہ لیجئے میرا
ڈوپٹہ حاضر ہے - باندھئے - اور تیر کر واپس آئیں - میں
نے مسکراتے ہوئے کہا - میں جل ککڑی نہیں ہوں - کہ یوں
جاؤں - کل میں تمہارے دھونے کا سامان ساتھ لاؤنگا
اگر تمہارا یہی منشا ہو - تو میں اس بڑے نالے کو عبور
کرکے تمہارا ناداں ادا کر دونگا - اسپر انوار نے ہنستے
ہوئے کہا - اچھا تو آپ ذرا میری طرف پیٹھ کرکے
کھڑے ہو جائیں - اور دونوں آنکھیں بند رکھیں
میں نے کہا - مجھے یہ منظور ہے - مگر دیکھنا کوئی شرارت
نہ کرنا - چنانچہ یہ کہکر میں نے اس کی طرف پیٹھ کرکے
اپنی دونوں آنکھیں بند کرلیں - ایک منٹ بھی نہیں
گذرا تھا - کہ انوار نے دھڑام سے گہرے پانی میں
چھلانگ لگا دی - یہ نظارہ دیکھ کر میرا خون
خشک ہو گیا - کہ اس لڑکی نے یہ کیا حرکت کی ہے
میں اس کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے مع کپڑوں کے
چھلانگ لگانے والا تھا - کہ اتنے میں کیا دیکھتا
ہوں - کہ وہ بے تحاشا ہنستی ہوئی جل پری کی طرح
تیرتی چلی جا رہی ہے - اس کے نرم سیاہ گیسو اس
کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے - جب دریا کے دوسرے

کنارے پر جا کر اپنے چہرے پر بکھری ہوئی زلفوں کو
ہٹا کر اس نے اپنی لوٹس کی سی آنکھوں سے میری طرف
دیکھا۔ اور اپنے دُرِ دانہ دانتوں کو یاقوتی لبوں کی
ڈبیا سے نور افشاں کرتے ہوئے تبسم کیا۔ تو وہ
مجھے آسمان کی حور یا جل پری نظر آئی۔ اُس نے
اسی طرح ہنستے ہوئے مجھے آواز دی۔ لو۔ میں واپس
آتی ہوں۔ وہ جل پری کی طرح تیرتی ہوئی آ رہی تھی
اور میں اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے آپ میں گم
تھا۔ جب وہ پانی سے نکل کر کنارے پر آگئی۔ تو
میں نے اس کے بھیگے ہوئے نہانے کے کپڑوں کے
ساتھ ہی اس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور کہا
اے جانِ من اور اے ایمانِ من۔ میرے دل کا اگر
کوئی گوشہ ابھی تک تمہاری دسترس سے باہر تھا۔ تو
آج تم نے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ یقین کرو۔ کہ جب
تم نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ تو میرا دل ڈوب
گیا۔ اور میں نے خیال کیا۔ کہ میری قسمت کا فیصلہ ہو
گیا۔ مگر جب میں نے تم کو جل پری کی طرح تیرتے دیکھا
تو میری جان میں جان آئی۔ آخر تم کو یہ سوجھی کیا؟
لو یہ نہانے کے بھیگے ہوئے کپڑے اتار دو۔ اور اپنے
دوسرے کپڑے پہنو۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ تم نے جو
مجھے دو تین منٹ انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔ اس کا مقصد

نہانے کے کپڑے پہن کر آنا تھا۔ تعجب ہے۔ میرا رنگ تمہارے
خوب فٹ آیا۔ اور یہ میری بنیان بھی تم نے خوب اپنے فٹ
کی۔ انوار نے اپنے کپڑے بدلے۔ اور کہا۔ دیکھئے حضور۔ میرا
تاوان ابھی آپ کے ذمہ ہے۔ میں لے کر چھوڑونگی۔ میں نے
کہا۔ اس بڑھے دریا کو عبور کرنا بھی کوئی مشکل ہے۔ میں
نے تو گنگا۔ جمنا۔ اور گھاگرا تک کو عبور کیا ہے۔ گھاگرا
کے نام پر انوار کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔ یہ گھاگھرا
تو ہمارے گھر میں موجود ہے۔ اچھا تو آپ نے آج گھر
جا کر مجھے یہ گھاگھرا ہی پہن کر دکھا دینا۔ میرا تاوان ادا
ہو جائیگا۔ میں نے کہا۔ توبہ کرو۔ شریر لڑکی۔ میں
کبھی گھاگھرا پہن کر تمہارے سامنے کھڑا نہیں ہونگا
کیونکہ میرے نبی کا ارشاد ہے۔ کہ مرد کو عورت کا سوانگ
نہیں بھرنا چاہئے۔ اس پر انوار سنجیدہ ہو گئی۔ اور ہم
ادھر ادھر کی گپ شپ لڑاتے گھر آ گئے۔ ماں نے
ہمیں دیکھتے کے ساتھ ہی کہا۔ آج اتنی دیر کیوں ہو گئی؟
میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ماں ذرا اس ملاحنی سے پوچھنا
کہ اس نے دریا میں غوطہ لگا کر کیا آفت برپا کر دی
تھی۔ ماں نے جب سارا حال سنا تو وہ بھی خوب
ہنستی رہی۔ ماں نے کہا۔ چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ ابھی
گرم کرتی ہوں۔ میں نے کہا۔ میں ذرا ٹھاکر جی کو پرنام
کر آؤں۔ یہ کہہ کر میں گیان کی طرف گیا۔ وہ کات رہی تھی

۲

گیان نے بھی حسبِ معمول میرے لئے چائے تیار کر رکھی تھی
اس نے بھی پوچھا - کہ آج اتنی دیر کر کے آئے - کیا بات
ہے؟ میں نے اس کے سوال کو ٹال دینا چاہا - مگر وہ
تاڑ گئی - کہ میں شاید نئی دُلھن کے معاملہ میں بے
احتیاطی کر رہا ہوں - اس نے کہہ ہی دیا - کہ گھر پر
زیادہ وہ نہیں ٹھہرنا چاہیئے - باہر کام پر جانا ضروری
ہے - میں اس کے اشارہ کو سمجھ گیا - مگر اس کو یہ علم
نہیں تھا - کہ جس طرح باوجود شادی ہو جانے کے
میں بطور خاوند کے اس کے پاس کئی ہفتہ تک نہیں
گیا تھا - حالانکہ ہم ایک ہی کمرے میں رات کو سوتے
تھے - اسی طرح باوجود پیار اور محبت کے اظہار کے
انوار میرے لئے ویسی ہی دوشیزہ تھی - جیسی کہ وہ
ماں کے گھر جب تھی - میرا نظریہ دنیا سے بالکل الگ
تھا - میں چاہتا تھا - کہ جب تک نئی دُلھن کی وہ تمام
خلائیں پُر نہ ہو جائیں - جو ماں - باپ - بھائی بہنوں
سے علیحدہ ہو کر وہ محسوس کرتی ہے - تب تک مجھے اس
کے لئے بطور خاوند کے اسکی ان خلاؤں کو پُر کرنا
چاہیئے - یعنی جہاں تک محبت اور اعتماد کا دائرہ ہے
مجھے ماں کی جگہ ماں - باپ کی جگہ باپ - بہن کی جگہ بہن
اور بھائی کی جگہ بھائی کی پوزیشن اختیار کرنی چاہیئے -

یہ اسی نظریہ کا اثر تھا۔ کہ انوار دو تین ہی دن میں
ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن۔ سب کو بھول کر مجھ میں فنا
ہوگئی۔ اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رات
دن کوشاں رہنے لگ گئی۔ میں اسکی ہر ایک بات
کو اسی نظریہ کے تحت دیکھتا تھا۔ گیان نے مجھ سے
کہا۔ کہ میں بجاء اس دوسری منزل پر رہنے کے ساتھ
والے مکان میں چلی جانا چاہتی ہوں۔ میں نے پوچھا۔ کہ
وہاں رہنے میں آپ تنہائی محسوس کرینگی۔ گیان نے
کہا۔ کہ اب بھی تو میں اپنی مرضی سے تنہا ہی رہتی ہوں۔
میں نے پوچھا۔ کہ بچی آپ کے پاس رہیگی۔ یا میری طرف؟
گیان نے کہا۔ یہ اس کی مرضی ہے۔ خواہ میری طرف رہے
خواہ اپنی نئی اماں کے پاس اور آپ کے پاس رہے
میں نے پھر پوچھا۔ دوسرے مکان میں جانے کا آپ
کا کب کا ارادہ ہے۔ گیان نے کہا۔ میں تو کل ہی چلی
جانا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا۔ جیسی آپ کی خوشی اور مرضی
ہے۔ میں کل ہی اس مکان کو ٹھیک ٹھاک کروا دونگا
آپ اطمینان رکھیں۔ یہ کہکر میں چلا آیا۔ اِدھر ماں
اور انوار چاء ناشتہ کے لئے میری راہ تک رہی تھیں
جب ہم دونوں چاء پی رہے تھے۔ تو ماں نے بڑی متانت
سے کہا۔ بابو جی! جب آپ فاطمہ کے ساتھ باہر سیر کے
لئے گئے ہوئے تھے۔ تو آپ کے پیچھے ایک نہایت خوبصورت

نوجوان ہندنی آئی تھی - وہ آپ سے ملنا چاہتی تھی
میں نے اسکو جواب دیدیا تھا - کہ وہ سیر کو گئے ہوئے
ہیں - پتہ نہیں کب واپس آئیں - وہ یہ کہہ کر چلی گئی - کہ
وہ پھر آئیگی - وہ یہ بھی کہہ گئی تھی - کہ آپ کو اُس کی
نمستے کہہ دینا - میں نے ماں سے پوچھا - اس نے اپنا نام کیا
بتایا تھا - ماں نے کہا - اس نے اپنا نام پریم لتا بتایا
تھا - میں بڑا حیران ہوا - یہ کیا معاملہ ہے - انوار نے
ماتھے پر بل ڈال کر کہا - یہ ہندنیاں کب تک آپ کا
پیچھا کرتی رہیگی - گیان کو تو میں نے برداشت کر لیا
تھا - کہ میری ماں کی عمر کی ہے - کیا حرج ہے - رہے - لیکن
اگر یہ نوجوان ہندنیاں یہاں آنے لگ گئیں - تو میں فوراً
میکے چلی جاؤنگی - ایک دن بھی یہاں نہیں ٹھہرونگی - انوار
کی بات کو سن کر میرا ماتھا ٹھنکا - چاء اگرچہ میٹھی
تھی - مگر مجھے کڑوی لگی - میں نے انوار سے کہا - گھبراؤ
نہیں - جب کوئی ہندنی آئیگی - تو تم نے خود ہی اس سے
بات چیت کر لینا - کہ وہ کون ہے - کیوں آئی ہے - اور
کیا چاہتی ہے - ماں نے کہا - ہاں بات تو ٹھیک ہے - مگر
اس سے انوار کے ماتھے کا بل نہ گیا - میں چاء ناشتہ سے
فارغ ہو کر اپنے دفتر میں چلا گیا - اور کام میں لگ گیا - کھانے
کا وقت آیا - تو بجاء انوار کے ماں مجھے بلانے کے لیئے گئی
میں کھانے کی میز پر آ بیٹھا - مگر انوار نے میرے ساتھ شرکت

نہ کی۔ مجھے انوار کے بغیر کھانا بھی زہر معلوم ہوا۔ دریا کی سیر میں صبح جو لطف آیا تھا۔ وہ سب خاک میں مل گیا۔ جوں توں کر کے دن تو کاٹ لیا۔ رات آ گئی انوار اب بھی میرے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہوئی میں نے سمجھا۔ معاملہ سنجیدہ ہو رہا ہے۔ مگر دیپ تک وہ مہارانی جو آنے کا وعدہ کر گئی ہے۔ آ نہ جائے۔ اس راز کی گرہ کشائی مشکل ہے۔ شب کو حسب معمول ماں اپنے گھر چلی گئی۔ چھوٹی بچی اپنی امی جان کے پاس چلی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ میں اپنے چھوٹے دفتر میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں پلنگ خالی تھے۔ انوار میرے پاس سونے کی بجائے میرے دفتر میں جا کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ میں اس کو بلانے کے لئے گیا۔ تاکہ وہ میرے پاس آ کر سوئے۔ مگر اس نے یہ کہہ کر میرے پاس آ کر سونے سے انکار کر دیا۔ کہ وہ صبح دریا کی سیر سے تھکی ہوئی ہے۔ اور کہ وہ اکیلی سوئیں۔ میں نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اپنے کمرہ میں آ کر مضمون لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا۔ کہ انوار نے ہال کمرہ میں سے آواز دی یہ آپ کی پریم لتا آ گئی ہے۔ آپ سے ملنا چاہتی ہے میں نے جواب دیا۔ اُس کو آنے دیجئے۔ میرے کمرہ کے ساتھ والا کمرہ بغیر روشنی کے تھا۔ اس کا غربی دروازہ

میرے کمرہ میں کھلتا تھا۔ یہ دروازہ آہستہ سے کھلا۔ کیا
دیکھتا ہوں۔ کہ اس اندھیرے کمرہ میں سے ایک نہایت
خوبصورت۔ پری جمال دیوی جس کے ایک ہاتھ میں
تازہ پھولوں کا گلدستہ۔ دوسرے ہاتھ میں نہایت
خوبصورت پھولوں کا ہار ہے۔ خراماں خراماں میری طرف
آرہی ہے۔ اس کے ماتھے پر قشقہ تھا۔ اور رخسار پر
خالِ ہندو تھا۔ اس کا بنارسی لہنگہ۔ اس پر بنارسی ڈوپٹہ
گلے میں طلائی لاکٹ۔ ہاتھوں میں ریشمیں چوڑیاں اور
انگلیوں میں چمکدار طلائی انگوٹھیاں اسکو اور بھی زہد
شکن قتالہ بنا رہی تھیں۔ اس کے سرخ و سفید رخسار۔
یاقوتی ہونٹ۔ جنگلی ہرنی کی سی ہوشربا آنکھیں ہلال
نو کی سی بھویں۔ اس کو جنت کی حور بنا کر اسم بامسمیٰ
یعنی پریم لتا کا مستحق بنا رہی تھیں۔ ابھی وہ مجھ سے
چند قدم کے فاصلے پر ہی تھی۔ کہ اس نے گلدستہ۔ اور
پشپ مالا کو پکڑے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ ذرا اوپر
اٹھائے۔ اور اپنے سر کو ذرا خم دیکر جس پر سے ڈوپٹہ
کسی قدر ایک طرف کو کھسک کر اس کے شانے پر آگیا تھا۔
پیار بھرے لہجہ میں کہا۔ "پران ناتھ جی۔ نمستے" یہ
کہکر وہ میری طرف بڑھی۔ اس کا لہجہ دیوکماری سروج
کا لہجہ۔ وہی شکل۔ وہی قد۔ وہی آواز۔ میں سکتہ میں تھا۔
کہ اگر سروج یہ ہے۔ تو پھر الوار کیا ہوئی؟ قریب تھا۔ کہ

میں غش کھا جاتا - یا میرا ہارٹ فیل ہو جاتا - کہ اتنے
میں یہ بھوت میری طرف بڑھا - اور مجھے اپنی گرفت میں
لینے کی بجاے اس نے نہایت دلربایانہ طور پر پھول
مالا میرے گلے میں ڈال کر اور گلدستہ میرے ہاتھ
میں دیکر پیران ناتھ جی! ہنستے کہکر انوار مجھ سے
لپٹ گئی - اور ہنس - ہنس کر ڈھیری ہو رہی تھی
مگر میں بے حد سراسیمہ تھا - میرا دل ابھی تک دھڑک
رہا تھا - میں نے اسکو اپنی آغوش میں لیکر اس کے
پے در پے بوسے لئے - اور کہا - او شریر لڑکی - او
ظالم فتانہ - آج تو نے مجھے دو دفعہ ذبح کیا - ایک
تو دریا کے کنارے جل پری بن کر - دوسرے اس
وقت جنت کی حور بن کر تو نے میرے دل کو روند
ڈالا - بتا تجھے کیا سزا دی جاے - انوار میری آغوش
میں اسی طرح ہنس رہی تھی - جس طرح کوئی معصوم بچہ
اپنی ماں کی محبت بھری گود میں ہنس ہنس کر اپنی ماں
کا دل خوش کرتا ہو - اور وہ ماں بھی اسکو اپنی آغوش
مادری میں لیکر کبھی اس کی پیشانی - کبھی اسکی آنکھوں
کبھی رخساروں - اور کبھی اس کے ہونٹوں کو بوسہ
دیکر خود نہال ہوتی اور بچے کو بھی نہال کرتی ہو - انوار
نے میری آغوش میں لیٹے ہوئے کہا - دیکھئے حضور! میں
اپنے ناداں کو بھولی نہیں ہوں - یہ لہنگا جو میں نے پہنا ہے

اور یہ بنارسی ڈوپٹہ بھی آپ کی ہران پیاری گیان کا ہے۔ جو مجھے کپڑوں کے ایک بڑے ڈھیر میں سے ملا تھا میں نے اپنے ارمان کی وصولی کے لئے یہی لہنگہ آپ کو پہنانا تھا۔ مگر جب آپ نے یہ فرمایا۔ کہ ہمارے نبی پاک نے مرد کو عورت کا یا عورت کو مرد کا سوانگ بھرنے سے منع فرمایا ہے۔ تو میں نے اسی دم آپکو لہنگہ پہنانے سے توبہ کر لی۔ اور خود پہن کر آپ کے سامنے آگئی آپ فرمائیں۔ کیا میرا یہ فعل گناہ تو نہیں ہے؟ میں نے کہا۔ اے ایمان من۔ تمہارا یہ فعل ہرگز گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کے پہننے کی تم کو اجازت ہے۔ دوسرے جب تمہاری یادداشت از سر نو زندہ ہو جائیگی تو تم کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ عالم ارواح میں جانے سے قبل تم نے اسی قسم کا بنارسی سوٹ اپنی شادی کے موقع پر پہننے کے لئے تیار کیا تھا۔ مگر وہ تم کو پہننا نصیب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ تم نے عالم اجسام سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اور میں نے وہ بنارسی سوٹ تمہارے ساتھ ہی چتا میں رکھ جلا دیا تھا۔ اسی کی یاد تم کو آگئی۔ اور بنارسی سوٹ پہننے کا تمہارا ارمان پورا ہو گیا۔ انوار نے سنجیدگی سے پوچھا۔ کیا میرے باقی کے ارمان بھی اسی طرح پورے ہوتے جائینگے میں نے کہا۔ نور نظر! تمہارے تمام ارمان پورے ہونگے

جو مشیت ایزدی کے تحت ہونگے - وہ ارمان جو ہمارے خود پیدا کردہ ہوتے ہیں- وہ مرتے دم تک بھی پورے نہیں ہوا کرتے- اس لئے ہمیں ان ہی ارمانوں کی آبیاری کرنی چاہیئے - جو نیک ہوں - اگرچہ وہ دنیا کے نزدیک ناممکن الحصول معلوم ہوتے ہوں - مگر قادر مطلق ان کو ضرور پورا کر دیتا ہے - جس طرح اس نے تمکو مُردوں میں سے زندہ کرکے تمہارے اور میرے دونوں کے ارمانوں کو پورا کر دیا - کیونکہ ہمارا یہ ارمان اس کے دین پاک کی صداقت پر ایک شہادت ہے - جو دنیا کے سامنے ظاہر ہو - جس کے اظہار کے لئے خود قادر مطلق نے ہی ارشاد فرمایا - کہ میں اس شہادت کو بے نقاب کردوں- میں نے دیکھا - کہ میرے اس بیان پر انوار کی آنکھیں خواب آلودہ ہوگئیں - میں نے کہا - نور نظر! تمکو نیند آرہی ہے - آج تم نے بہت کام کیا - تم اب آرام سے سو جاؤ - میں نے اسکی دیدہ بوسی کی - اور وہ میٹھی نیند سو گئی - میں کچھ دیر اور مضمون لکھنے میں معروف رہا - اس کے بعد مجھے نیند نے گھیرا - اور اپنے پلنگ پر جاکر لیٹ گیا - اور میٹھی نیند سو گیا - صبح موذن کی آذان نے ہم کو بیدار کیا - اور ہم بدستور خدا لایموت کے حضور میں حاضر ہو گئے -

باب دوازدہم

چھٹی فصل

پانچویں رات

ھدایات

(۱)

جب ہم حسب معمول صبح کی نماز اور دعا سے فارغ ہو گئے۔ تو میں نے انوار کو چند ایک ضروری مسائل جن کا امور خانہ داری سے تعلق تھا۔ بتائے۔ میں نے اس کو یہ بھی بتایا۔ کہ میں اب باہر جا کر اس خدائے قادر مطلق کے دین کی اشاعت کیلئے جانے والا ہوں۔ جس نے تم کو مردوں میں سے زندہ کیا۔ اور جس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے مجھے وہ معجزہ دکھایا۔ جو اس زمانہ میں کسی کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ تم میرے لئے خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہو۔ خدا خود اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ کہ ہم تم کو آسمانوں میں اور زمین پر تمہارے

اپنے نفوس میں نشانیاں دکھاتے ہیں۔ بشرطیکہ تم ان کو دیکھ سکو۔ نورنظر! تم میرے لئے زمین پر آسمان کی نشانی ہو۔ میں نے تمہارے ذریعہ اپنے کھوئے ہوئے ایمان کو حاصل کیا۔ اور خدا نے میرے ایمان کو حق الیقین اور عین الیقین میں تبدیل کر دیا۔ جس میں اب کسی قسم کا تزلزل نہیں ہے۔

(۳)

انوار نے کہا۔ آج سیر کرنے کے لئے کدھر جانا ہے
میں نے کہا۔ آج میں سیر کے لئے نہیں جاؤنگا۔ بلکہ گھر پر ہی کچھ کام کرونگا۔ انوار نے پوچھا۔ وہ کیا ہے؟ میں نے کہا۔ تمہاری سہیلی بانو دیوی کا خیال ہے کہ وہ اس مکان کی اوپر کی منزل کی بجائے اس مکان کے دوسرے حصے میں چلی جائے۔ جس میں تین ہوادار کمرے۔ ایک برساتی۔ غسل خانہ۔ باورچی خانہ۔ پانی کا ہینڈ پمپ اور دفتر کا کمرہ موجود ہیں۔ بیچ میں کشادہ صحن۔ اوپر کی منزل میں برساتی کے سامنے شہ نشین اور صحن ہے۔ انوار نے کہا۔ اتنا وسیع مکان اس کے لئے بہت کافی ہے۔ میں نے کہا۔ شروع میں یہ مکان میں نے اپنی رہائش اور پریس کے لئے بنایا تھا۔ چنانچہ آج گیان کے حکم کے مطابق اس مکان کو جھاڑ پونچھ کر ٹھیک کر دیا جائیگا۔ اور آج ہی گیان اس طرف چلی جائیگی۔

اوپر کی ساری منزل تمہارے لئے خالی ہو جائیگی
دفتر نیچے رہیگا - انوار نے اس تبدیلی کو بہت پسند
کیا - چنانچہ شام سے قبل یہ انتظام مکمل ہو گیا - گیان
دوسرے مکان میں چلی گئی - انوار اوپر کی منزل پر
جاکر خوش ہو گئی - جب کھانے پینے سے فارغ ہو کر
سب اپنی اپنی جگہ چلے گئے - اور میں کچھ دیر دفتر
میں کام کر کے اوپر گیا - تو میں نے دیکھا - انوار
اپنے پلنگ پر لیٹنے کی بجائے میرے پلنگ پر قبضہ کئے
ہوئے ہے - مجھے دیکھتے کے ساتھ ہی مسکرائی - اور
کہنے لگی - ذرا میرے پلنگ پر بیٹھ جائیں - میں آج اپنے
پران ناتھ کی آرتی اتاروں گی - میں نے کہا - نورنظر!
یہ آرتی کیا ہوتی ہے - انوار نے مسکراتے ہوئے کہا
اپنے پران ناتھ کی پوجا - میں نے کہا - یہ تم نے مجھے
پران ناتھ کب سے بنایا - انوار نے کہا - جب سے آپ
نے مجھے پریم لتا کہا - میں نے کہا - یہ تو میں نے دیوکماری
سروج کو پریم لتا کہا تھا - انوار نے اپنے مرمریں بازو
میرے گلے میں حائل کر کے کہا " تو پھر میں وہی تو ہوں"
میں نے کہا - تو تمہیں کسی ہندو کے گھر میں پیدا ہونا
چاہئے تھا - انوار نے کہا - میں نے ہندو کے گھر میں جنم
لیکر آپ سے محبت کی - مگر میری محبت کامیاب نہ ہوئی
کیونکہ آپ کا جنم مسلمان کے گھر کا تھا - میں آپ کے پریم

میں گھُل گھُل کر اس دنیا سے دیوی دیوتاؤں کی دنیا میں چلی گئی - مگر مجھے وہاں جاکر بھی چین نہ آیا - میں نے دیوتاؤں سے کہا - کہ یا تو مجھے میرے پران ناتھ کے پاس واپس بھجدو - یا اس کو یہاں بلا لو - دیوتاؤں نے کہا - تمہارے ناتھ کو ابھی یہاں نہیں بلایا جائیگا کیونکہ وہ ہمارے مشن کے لیئے کام کر رہا ہے - اس کا ابھی وہاں رہنا بہت ضروری ہے - ہاں تم کو اس کے پاس بھیج دیا جائیگا - تاکہ تم بھی ہمارے مشن کے کام میں مدد دو - چنانچہ میں آگئی - میں نے انوار کے بیان کو بڑے غور سے سنکر نتیجہ نکالا - کہ انوار کی گم کردہ یادداشت واپس آرہی ہے - میں نے کہا - نور نظر! تم کو میرے ساتھ پریم کرکے کیا ملا؟ انوار نے کہا - مجھے دوسری زندگی ملی - میں مر گئی تھی - آپ کی خاطر خدا نے مجھے زندہ کر دیا میں نے کہا - میرے ساتھ محبت کرنا چھوڑ دو - ورنہ پھر مر جاؤ گی - انوار نے کہا - میں پھر زندہ ہو جاؤنگی - کیونکہ پریم ہی زندگی ہے - میں نے کہا - تم پریم دیوانی ہو - انوار نے کہا - میں نہیں جانتی میں کیا ہوں - میں صرف اتنا جانتی ہوں - کہ جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھچتا ہے - اسی طرح میں آپ کی طرف کھچتی ہوں - یہ راز میری سمجھ میں نہیں آتا - میں نے کہا - نور نظر یہ راز تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے - مگر تم نے میرے لیئے ایک معمہ حل کر دیا - انوار

نے پوچھا۔ وہ کیا؟ میں نے کہا۔ اب تک میں یہ سمجھتا تھا
کہ پریم کی ابتدا مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔ مگر یہ نظریہ
تم نے غلط کر دکھایا۔ پریم کی ابتدا مرد کی طرف سے نہیں
بلکہ عورت کی طرف سے ہوتی ہے۔ عورت ایک شکتی ہے۔
طاقت ہے۔ وہ فاتح ہے۔ مرد مفتوح ہے۔ عورت غالب
ہے۔ مرد مغلوب ہے۔ تم نے کہا۔ کہ تم میری طرف بلا
ارادہ کھچتی ہو۔ تم نے کہا۔ یہ راز تمہاری سمجھ میں نہیں
آتا۔ کہ کیا ہے؟ میں اس راز کی تم کو ایک مثال دیتا ہوں
سکندر اعظم مقدونیہ سے نکلا۔ جو یورپ کی ایک چھوٹی
سی ریاست تھی۔ اس نے یونان کو فتح کیا۔ ایشیاء کوچک
کو لیا۔ ایران۔ توران۔ کابل۔ قندھار۔ بلوچستان۔ پنجاب
کو فتح کرتا ہوا اسی دریا ستلج تک پہنچ گیا۔ جس کی ایک
چھوٹی سی شاخ میں تم جل پری بن گئی تھیں۔ اسی طرح تم بھی
کلکتہ کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہو کر اور پڑھ لکھ کر
الموڑہ۔ الموڑہ سے میری تلاش میں لاہور۔ لاہور سے
میری تلاش میں عالم ارواح کے دیوی دیوتاؤں میں۔ وہاں
سے میرے چھوٹے سے گاؤں میں جہاں میں پیدا ہوا میرے
ہاتھ سے لگے ہوئے سرس کے درخت کے سایہ تلے
آرام لیکر لائل پور کے چھوٹے سے گاؤں منیالوالہ میں۔
منیالوالہ سے لدھیانہ میں۔ لدھیانہ سے میرے گھر کے اس
کمرے میں میری آرتی اتارنے کے لئے میرے پلنگ پر بیٹھی ہو

میری پریم دیوانی! پھر بھی تمہاری سمجھ میں نہ آیا۔ کہ یہ پریم کیا چیز ہے؟ کیا تم سمجھنا چاہتی ہو؟ انوار نے کہا۔ آپ سمجھائیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

(۳)

میں نے کہا۔ نورنظر! پریم یزدانی چیز ہے۔ بشرطیکہ اس میں شیطانی جذبہ کو مداخلت کا موقع نہ ملے۔ اس کا مقصد بقاء نسل ہے۔ لیمپ کا مقصد روشنی دینا ہے۔ اگر اس کی بتی کو اونچا کر دیا جائے۔ تو بتی دھواں دیگی۔ تیل جلدی ختم ہو جائیگا۔ اور چمنی ٹوٹ جائیگی۔ انوار نے کہا۔ یہ درست ہے۔ میں نے کہا۔ اگر یہ درست ہے۔ تو احتیاط سے چلنا ہوگا۔ اس راز کو بھی سمجھ لو۔ کہ پریم طاقت ہے۔ طاقت جب تک محبوس رہتی ہے۔ کشش قائم رہتی ہے۔ مگر جب طاقت ضائع ہو جاتی ہے۔ کشش کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے طاقت کا اخراج بلا موقع نہیں ہونا چاہیئے اس بارے میں تمکو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ انوار نے کہا۔ میں اس کو بخوبی سمجھتی ہوں۔ یہی کشش تھی جس نے مجھ کو دیوی دیوتا دل میں بھی نہ رہنے دیا۔ اور میں آپ کی طرف کھنچ آئی۔ آپ میرے زندہ دیوتا ہیں۔ میں پہلے بھی شمع کی طرح آپ کے پریم میں جل کر بجھ گئی تھی۔ اب میں دوبارہ بجھ جاؤنگی۔ انوار کے ان الفاظ کو سن کر میں ڈر گیا۔ میں نے اسکو سینے سے لگالیا

اور کہا۔ آخر تم کیوں بجھ جاؤ گی۔ جب تم پہلے بجھی تھیں
تو تم میرے متعلق اپنے تمام ارمان سینے میں لیکر بجھی
تھیں۔ مگر اب تمہارا کوئی ارمان باقی نہیں رہیگا۔ جس کو
تم پورا نہ کر لوگی۔ اگر تم اب بجھ جاؤ گی۔ تو کیا تم یہ
خیال کرتی ہو۔ کہ میں خدا سے یہ دعا کرونگا۔ کہ وہ تم کو
میری خاطر زندہ کر کے دوبارہ اس دنیا میں بھیجے؟
اس خدا وحدہ لاشریک۔ قادر مطلق۔ حی و قیوم کی
قسم ہے۔ کہ میں اس سے ہرگز ہرگز یہ دعا نہیں کرونگا
بلکہ میں یہ دعا مانگونگا۔ کہ وہ مجھ کو تمہارے پاس بلا
لے۔ تاکہ ہم پھر کبھی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں
اور اس ذلیل و خوار دنیا میں لوٹ کر نہ آئیں۔ میرا
ایمان کامل ہے۔ کہ ہم پھر کبھی بھی اس دنیا میں لوٹ کر
نہیں آئینگے۔ اس پر انوار نے سنجیدگی سے پوچھا۔ کہ ہم
اب جو اس دنیا میں آئے۔ تو کیوں آئے۔ میں نے کہا۔
عزیز از جان! میرے آنے کا تو واحد مقصد یہ تھا
کہ میں اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کروں۔ یعنی اس کے دین
برحق کی منادی کروں۔ اور اس دین کے متعلق میرے
دل میں یا کسی کے دل میں جو شکوک ہوں۔ ان کا ازالہ
کروں۔ چنانچہ جب سے میں نے پڑھ لکھ کر ہوش سنبھالا
میں اپنے مالک کے حکم کی تعمیل میں لگا ہوا ہوں۔ تحریر سے
تقریر سے۔ اپنے قول و فعل سے میں اس مشن میں مصروف ہوں

انوار نے پوچھا - میرے آنے اور مُردوں میں سے زندہ کرنے کا کیا مقصد تھا؟ میں نے کہا - تمہارے اس دنیا میں آنے کا بھی واحد مقصد یہی تھا۔ کہ تم اس کے دین برحق کی دنیا میں شہادت دو - چنانچہ تم نے اس کی شہادت دیدی - جبکہ خدا نے جس کے قادر مطلق ہونے پر میں نے شک کیا تھا - تم کو میری آنکھوں کے سامنے مار ڈالا - اور پھر میری ان ہی آنکھوں کے سامنے تمکو زندہ کر دیا - میرا یہ شک کہ خدا مُردوں کو کیونکر زندہ کریگا - اور ان کی قیامت کا کیا مطلب ہے - اس نے میرے سامنے تمہاری قیامت قائم کرکے دکھا دی - اب مجھے اطمینان قلب حاصل ہے - میرے سینہ پر سے بوجھ اتر گیا - میرے جملہ شکوک دور ہو گئے - میں اس قادر مطلق کی زندہ نشانی کو تمہاری شکل میں اپنے سامنے موجود دیکھتا ہوں - لو لیٹو! رات زیادہ جا چکی ہے - اب تم آرام سے میٹھی نیند سو جاؤ - انوار نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا - اور ایک معصوم بچے کی طرح میٹھی نیند سو گئی - مگر میں جاگ رہا تھا - اور سوچ رہا تھا - کہ قادر مطلق خدا نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے مجھے وہ کرشمہ یا معجزہ دکھایا - جو وہ اپنے مخلص بندوں کو دکھاتا چلا آرہا ہے - ان ہی خیالات کو لیکر میں سو گیا - یہاں تک کہ صبح موذن کی اذان نے مجھے جگا دیا -

باب دوازدہم

ساتویں فصل

چھٹی رات

اگر موت نہ ہوتی

(۱)

نماز اور دعا سے فارغ ہوئے۔ تو انوار نے پوچھا۔ آج سیر کے لیئے کدھر جانا ہے۔ میں نے کہا۔ آج میں دریا کے کنارے سیر کے لیئے نہیں جاؤں گا۔ بہتر یہ ہے۔ کہ آج تم گھر پر ہی رہو۔ انوار نے کہا۔ میں ضرور ساتھ جاؤنگی۔ میں نے کہا۔ بہت بہتر۔ ہاں آجائے۔ تو تم نے میرے ساتھ چلنا۔ ہم یہ گفتگو کر رہے تھے۔ کہ ماں آگئی۔ اور ہم دونوں سیر کے لیئے چل دیئے۔ مشن احاطہ میں سے ہوکر ہم مسیحی قبرستان کے پاس سے گذر رہے تھے۔ جہاں جا بجا قبروں پر صلیبیں نصب تھیں۔ انوار نے کہا۔ یہ تو عیسائیوں کا قبرستان ہے۔ مسلمانوں کا قبرستان کدھر ہے۔ میں نے کہا۔ واپسی پر ہم مسلم قبرستان میں سے گذرینگے

ہم کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں
مغل بادشاہوں کے زمانہ کا ایک مینار کھڑا ہے۔ اس کے
اردگرد ایک پختہ چبوترہ ہے۔ کچھ درخت ہیں۔ جن پر
بیرناروں نے گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ پاس ہی ایک کنواں
ہے۔ جس کے پانی پر کائی جمی ہوئی ہے۔ ہم اس چبوترہ پر
بیٹھ گئے۔ انوار نے پوچھا۔ یہ مینار کیسا ہے۔ میں نے کہا
یہ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ کا سنگ میل ہے۔ جو بنگالہ
سے لیکر کابل تک لگے ہوئے ہیں۔ انوار نے کہا۔ آج نہ وہ
مسلمان ہیں۔ نہ ان کی بادشاہی ہے۔ موت سب کو کھا گئی
اگر موت نہ ہوتی۔ تو ہماری زندگی کتنی پرلطف ہوتی۔ یہ
موت ہی ہے۔ جو ہماری زندگی کی تمام خوشیاں مٹا دیتی
ہے۔ یہ کہہ انوار نے سرد آہ بھری۔ اور خاموش ہوگئی
میں نے اسکی اس اداسی کو دیکھ کر کہا۔ نور نظر! تمہارا یہ
خیال کہ اگر موت نہ ہوتی۔ تو ہماری یہ زندگی بہت پرلطف
ہوتی۔ درست نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس
ہوتا۔ خدا نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ کہ ہم نے زندگی
اور موت کو بنایا۔ تاکہ ہم دیکھیں ہمارے احکام کی فرماں
برداری کون کرتا ہے۔ ہماری طرح موت بھی پیدا کردہ ہے
اگر موت نہ ہوتی۔ تو ہمارے دکھوں کی کوئی انتہا نہ ہوتی
انوار نے پوچھا۔ یہ کیسے؟ میں نے کہا۔ اگر سننا چاہو۔ تو سنا
دیتا ہوں۔ انوار نے کہا۔ میں ضرور سنونگی۔ آپ سنائیں

۲

میں نے کہا۔ تم دیکھ رہی ہو۔ شہر کی آبادی کتنی جلدی جلدی
بڑھ رہی ہے۔ حالانکہ ہر سال ہزاروں مرتے ہیں۔ مگر پھر بھی
آبادی کی یہ حالت ہے۔ کہ لوگوں نے شہر سے باہر دور دور
تک مکانات بنا لئے ہیں۔ اور بعض نے دو منزلہ اور سہ منزلہ
تعمیر کئے ہیں۔ اگر موت نہ ہوتی۔ تو تمام زمین انسانوں اور
مکانوں سے اس طرح بھر جاتی۔ کہ کہیں تل دھرنے کی گنجائش نہ
رہتی۔ کھیتی کیاری کا تو کہنا ہی کیا۔ شاید انسان ہوا پھانک
کر جیتے۔ جب زمین پر رہنے سہنے کی جگہ نہ ملتی۔ تو انسان یا
تو کئی کئی منزل کے اونچے مکان بناتے جاتے۔ یا ایک دوسرے
کے سر پر بسیرا لیتے۔ مگر چونکہ موت نہیں تھی۔ اور پیدائش کا
سلسلہ جاری رہتا۔ تو جس طرح سمندر کی گہرائیوں سے مونگے
کے جانور ایک دوسرے پر مرتے اور اوپر اٹھتے اٹھتے پانی
کی سطح پر آجاتے اور جزیرہ بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی
ایک دوسرے پر اوپر کو اٹھتے جاتے۔ یہاں تک کہ موت
نہ ہونے کے باعث اس انسانی منارہ کی بلندی چاند اور
سورج کو بھی پھلانگ جاتی۔ اور میری نور نظر اس مینار
کے نیچے کہیں دبی پڑی خدا سے دعا مانگتی۔ کہ اے خدا
تو موت دے۔ تاکہ اس عذاب سے رہائی ہو۔ مگر
موت تو ہے نہیں۔ اس لئے اس عذاب سے رہائی ناممکن
ہوتی۔ انوار نے کہا۔ واقعی اگر موت نہ ہوتی۔ تو بہت برا ہوتا

میں نے کہا - نور نظر! تم نے ابھی تصویر کا ایک ہی رُخ دیکھا ہے - ذرا دوسرا پہلو بھی دیکھیں - جس طرح سمندر کے جزیروں کے صرف اسی حصے پر سورج کی روشنی پڑتی ہے - جو سطح سمندر کے اوپر ہوتا ہے - اور ان جزیروں کی سب سے نچلی سطح روشنی سے قطعاً محروم محض تاریکی میں رہتی ہے - اسی طرح ان انسانی جزیروں کی صرف وہی سطح سورج کی روشنی سے بہرہ اندوز ہوتی - جو سب سے اوپر ہوتی - ہم لوگ جو نچلی سطح پر ہوتے - سورج کی روشنی سے قطعاً محروم رہتے - اور ہم اس جہنم کے باشندے ہوتے جو اندھیروں سے بھرپور ہے - چونکہ موت نہیں تھی - اس لئے ہم اس عذاب الیم سے نجات پانے کے لئے موت کی آرزو کرتے - مگر موت ہم کو نہ ملتی - انوار نے بڑی متانت سے کہا - ہائے! میں نے کتنی غلط بات کہی - کہ اگر موت نہ ہوتی - تو ہماری زندگی بڑی پرلطف ہوتی - پرلطف تو کیا ہوتی - بڑی عذاب اور دردناک عذاب کی زندگی ہوتی -

(۲)

میں نے کہا - نور نظر! ذرا اس مسئلہ کا کہ اگر موت نہ ہوتی - ایک تیسرا پہلو بھی دیکھئے - آپ کو دردِ زہ نے پکڑا ہوتا - اور میں دائی جنائی کی تلاش میں جاتا - تو مجھے دائی جنائی جواب دیتی - میں کیا کروں - مجھے خود دردِ زہ نے پکڑ رکھا ہے - میں مایوس واپس آتا - اور کہتا -

نور نظر! دائی جنائی تو ملتی نہیں۔ لاؤ۔ میں ہی ذرا
مدد کر دوں۔ میرے اِن الفاظ پر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی
اور کہنے لگی۔ کہ جنت میں بھی تو موت نہیں ہو گی۔ تو کیا
وہاں بھی یہی حالت ہو گی۔ میں نے کہا۔ نور نظر! جنت
میں نہ موت ہو گی۔ نہ دردِ زہ ہو گا۔ نہ پیدائش ہو گی
انوار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو کیا جنت میں ہماری
گود خالی رہیگی؟ میں نے کہا۔ نہیں۔ تمہاری گود خالی نہیں
ہو گی۔ بلکہ میں تمہاری گود میں ہو نگا۔ کیا تم مجھ سے پیار
نہیں کرو گی؟ سپہر انوار نے مسکراتے ہوئے اپنے بازو
میری گردن میں حمائل کر کے مجھ سے پیار کیا۔ اور کہا۔ یہ
زندگی اور موت کا مسئلہ میری سمجھ میں آ گیا۔ اب ہم واپس
چلیں۔ امی جان ہماری انتظار کر رہی ہو نگی۔

(۱۳)

ہم مسلمانوں کے قبرستان کی طرف سے گھر کو واپس آ
رہے تھے۔ کہ انوار نے سرد آہ بھری اور کہا۔ مجھے بھی
ایک دن یہاں آنا ہو گا۔ میں نے کہا۔ تم یہاں ہرگز نہیں آؤ گی
تم جسم نہیں ہو۔ بلکہ روح ہو۔ جو نہ مرتی ہے۔ نہ دفن ہوتی
ہے۔ نہ پانی میں ڈوبتی ہے۔ یہ جسم ہے۔ جو دفن ہوتا اور
کیڑوں کی خوراک بنتا۔ اور پھر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر خاک
ہو جاتے ہیں۔ یہ جسم ہے۔ جو آگ میں بھسم کر دیا جاتا ہے
اور اس خاکستر کو ہوا اڑا لے جاتی ہے۔ یا دریا برد کر دیا جاتا،

اے دوشیزہ! تم کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ جبکہ میں نے
تمہاری لاش کو چتا میں رکھ کر خاکستر کر دیا۔ اور اس خاک
کو دریائے راوی کی آغوش میں دبا دیا۔ مگر تمہاری روح
میرے اردگرد منڈلانے کے بعد دیوی دیوتاؤں یعنی
ارواح مقدسہ کی روشن دنیا میں چلی گئی۔ مگر تم نے
اس روشن دنیا میں رہنے کی بجائے میری خاطر اس تاریک
دنیا میں آنا پسند کیا۔ تاکہ تم میرے ذریعہ شہادت دو۔
کہ خدا قادر مطلق ہے۔ وہ انسان کو تاریکیوں میں سے باہر
لاتا ہے۔ یہ قبرستان جو تم دیکھ رہی ہو۔ ہمارے لئے
درس عبرت ہے۔ یہ قبرستان ہماری آخری منزل نہیں ہے۔
بلکہ ہماری آخری منزل وہ خدائے لایموت ہے۔ جس نے اپنے
کلام میں ہمیں اپنا امر کہا ہے۔ ہم اس کے مامور ہیں۔ مامور
کا فرض ہے کہ وہ امر کی ہدایت پر خود چلے۔ اور دوسروں
کو بھی چلنے کی ہدایت کرے۔ نور نظر! جس طرح بچہ اپنے
ماں کے رحم سے ایک جھلی میں لپٹا ہوا اس دنیا میں آتا
ہے۔ جس طرح وہ جھلی اتار کر پھینک دی جاتی یا دفن
کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ جسم ہماری روح پر ایک
قسم کا غلاف یا جھلی ہے۔ جسکو روح کے نکل جانے پر
مسلمان دفن کر دیتے ہیں۔ اور ہندو جلا دیتے ہیں۔
اس جسم کے بعد روح کو جو جسم ملتا ہے۔ وہ اس کا اعمالی
جسم ہوتا ہے۔ جو اعمال کے نیک وبد ہونے کی بنا پر خوبصورت

بابدصورت ہوتا ہے۔ اس کے نیک اعمال روشنی اور بد اعمال تاریکی خارج کرتے ہیں۔ نیک روح اپنی روشنی میں اوپر اٹھتی اور بد روح اپنی تاریکی میں نیچے جاتی ہے۔ اوپر کی سمت کو علیین اور نچلی سمت کو سجین کہا جاتا ہے۔ جنت اور جہنم بھی اسی کا نام ہے۔ انوار نے پوچھا۔ کیا ہم اس زندگی میں جان سکتے ہیں۔ کہ ہمارا اعمالی جسم روشن ہے۔ یا کالا؟ میں نے کہا۔ نور نظر ہر ایک شخص اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جس کی روح کی آنکھ پر سے مادی ترغیبات کا پردہ اٹھ گیا ہو۔

(۴)

اسی طرح زندگی اور موت کے مضمون پر گفتگو کرتے ہوئے ہم گھر پہنچ گئے۔ ماں نے چاء ناشتہ تیار کر رکھا تھا۔ میں نے ماں سے کہا۔ میں ذرا گیان کو سلام کر آؤں۔ پھر چاء پیونگا۔ چنانچہ میں بالائی منزل کی سیڑھیوں پر سے گیان کے پاس گیا۔ وہ چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیکر چاء پیش کی۔ اور پوچھا۔ کہ باہر جانے کا پروگرام بنا لیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا جہاں جہاں جانا ہے۔ وہاں وہاں خطوط لکھ دئے ہیں۔ گیان نے کہا۔ کل کو کھانا میری طرف کھانا۔

میں نے پوچھا - صبح کا یا شام کا؟ گیان نے کہا - شام کا -
میں نے کہا - کیا رات کو مجھے ادھر ہی سونے کی بھی اجازت
ہو گی؟ انوار نے کہا - نہیں ادھر سونے کی اجازت
ہرگز نہیں ہو گی - آپ کو اپنی سہیلی کے پاس ہی سونا
ہو گا - میں نے کہا - جیسی آپ کی خوشی ہے - مجھے اس
سے اتفاق ہے - میرے یہاں یا وہاں سونے میں کچھ بھی
فرق نہیں - میں کل شام کو تمہارے ہاں ہی کھانا کھاؤنگا
گیان نے کہا - مگر اپنی سہیلی سے پوچھ کر آنا - ایسا نہ ہو
اس کو اطلاع دئے بغیر آ جاؤ - میں نے کہا - آپکے مشورہ
پر عمل کیا جائیگا - یہ کہکر میں چلا آیا - انوار میری راہ
دیکھ رہی تھی - پوچھنے لگی - اپنی پران پیاری کی چار
تو لی - نئے مکان میں جانے کی خوشی میں آپ کو کچھ اور
بھی کھلایا؟ میں نے کہا - کل شام کو کھانے کی دعوت
دی ہے - اور ساتھ ہی کہا ہے - کہ اپنی سہیلی سے پوچھ
کر آنا - ایسا نہ ہو - بلا پوچھے اور بلا اطلاع دئے آجاؤ -
اسپر انوار تو خاموش رہی - مگر ماں نے کہا - بڑی سمجھ
دار ہے - اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے - جیسے
اس کا آپ پر حق ہے - ویسے ہی اس کا بھی حق ہے - میں
نے کہا - امی جان! وہ صرف کھانا ہی کھلانا چاہتی ہے
باقی حقوق کا مطالبہ اس نے چھوڑ دیا ہے - اسپر انوار
مسکرا دی اور ماں خاموش ہو گئی - ہم نے چار سے فرصت پائی

میں دفتر میں چلا گیا - ضروری مضامین تیار کیے - کھانے
کا وقت آگیا - انوار نے دفتر کے دروازہ میں سے ذرا
جھانک کر پوچھا - اندر آنے کی اجازت ہے؟ میں نے اسی
طرح لکھتے ہوئے بغیر سر اٹھائے کہا - ہاں اجازت ہے -
انوار نے دروازہ کھولا - میں نے دیکھا - کہ وہ عجیب طرح
دلربایانہ طور پر منہ پر گھونگھٹ ڈالے اندر آئی - میں
اس کی مسحور کن ادا کو دیکھ کر ہنس پڑا - اور کہا - او
قتالہ لڑکی! یہ ذبح کی تکبیر تو اس پر پڑھی جاتی ہے - جو
زندہ ہو - مگر جو پہلے ہی ذبح ہو چکا ہو - اس پر دوبارہ تکبیر
کون پڑھتا ہے - میری بات پر انوار کھل کھلا کر ہنس پڑی
اپنے محبت بھرے بازو میرے گلے میں حمائل کر کے کہا -
پران ناتھ جی! بھوجن تیار ہے - میں نے اس کے پیار کا
جواب دیتے ہوئے کہا - بہت اچھا - پریم لتا جی - میں بھی
بھوکا ہوں - چلئے کھانا کھائیں - ہم دونوں کھانے کی میز
پر بیٹھے کھانا کھاتے اور پُر مذاق بات چیت کرتے جاتے تھے
کھانے سے فارغ ہو کر میں پھر دفتر میں چلا گیا - اور مغرب
کی نماز تک کام کرتا رہا - مغرب کی نماز میں نے اور انوار نے
مل کر پڑھی - نماز اور دعا سے فارغ ہو کر کھانا کھایا - ماں
کھانا کھلا کر چلی گئی - بچی اپنی امی جان کے پاس جا چکی تھی - انوار
حسب معمول اپنے حجلہ عروسی میں داخل ہوئی - اپنے پلنگ
پر بیٹھ کر بڑی سنجیدہ سی صورت بنا کر کہنے لگی - دیکھئے

حضور! کل آپ نے اپنی پیران پیاری کے ہاں کھانا کھانے جانا ہے۔ اس نے مجھے نہیں بلایا۔ شاید آپ سے تنہائی میں میرے متعلق کچھ بات چیت کرنی ہو۔ مجھے حق تو نہیں۔ کہ میں آپ سے پوچھوں۔ کہ کیا بات چیت ہوئی۔ لیکن اگر آپ مجھے اپنا ہمراز سمجھتے ہوئے وہ بات چیت مجھے بتا دینگے۔ تو شاید میں آپ کو کچھ مشورہ دے سکوں۔ میں نے بھانپ لیا۔ کہ اس سوال کا مقصد کیا ہے۔ میں نے فوراً جواب دیا۔ نور نظر! میں وہ صاف آئینہ ہوں۔ جس کے آرپار دیکھا جا سکتا ہے۔ میری کوئی بات تم سے کبھی چھپی نہیں۔ تم یہ کیوں کہتی ہو۔ کہ میں خود آکر تم کو بتا دوں تم نے میرے ساتھ چلنا۔ اور سیڑھیوں میں بیٹھ کر اپنے کان سے سب گفتگو سن لینا۔ تاکہ تمہارے دل میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ میرے جواب کو سنکر انوار کا چہرہ جو بالکل سنجیدہ ہو رہا تھا۔ مسرت و انبساط سے بھر گیا۔ اور شاداب ہو گیا۔ سونے سے قبل اس نے میری طرف اپنی محبت کی نگاہ ڈالی۔ اور مسکراتی ہوئی دیکھتی رہی۔ ذرا سی دیر میں وہ ایک معصوم بچے کی طرح میٹھی نیند سو گئی۔ میں اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا اس معصومیت کو سٹڈی کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں بھی سو گیا۔ صبح حسب معمول موذن کی اذان نے مجھے جگایا۔ میں نے انوار کو آواز دی۔ نور نظر اٹھئے۔ نماز سونے سے بہتر ہے۔ چنانچہ وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اٹھ بیٹھی

باب دوازدہم

آٹھویں فصل
ساتویں رات

نورِ دِل

(۱)

صبح کی نماز اور دعا سے فارغ ہو کر میں نے چند ایک مسائل جن کا تعلق گرہستی زندگی سے ہے۔ انوار کو سمجھائے۔ اُس نے نہایت ادب کے ساتھ ایک شاگرد کی طرح جو اپنے اتالیق کے سامنے مودب ہو کر کلام کرتا ہو۔ کہنا شروع کیا۔ آپ نے اِن چند روز میں مجھے جو تعلیم دی ہے۔ اور جس طرح زندگی اور موت کے راز مجھے بتائے ہیں۔ ان کے لئے میرا روم روم آپ کا شکر گذار ہے۔ زندگی میرے لئے خوشگوار بن گئی ہے۔ موت میرے لئے ڈر کی چیز نہیں رہی۔ میں نے انوار کے منہ سے اِن کلمات کو سُن کر خدا کا شکریہ ادا کیا۔ کہ انوار نے میرے مشن کو بخوبی سمجھ لیا ہے۔ اور کہ وہ اُن خیالات سے بالاتر ہو گئی ہے۔ جو عام طور پر نئی نویلی دلہنوں کے ہوتے ہیں۔

میں نے انوار سے کہا۔ میں آج سیر کے لئے نہیں جاؤنگا
کیونکہ میں نے دفتر کا کام ختم کرنا ہے۔ ہاں شاید دیر
سے آئے۔ بہتر ہے۔ تم خود چاء ناشتہ تیار کر لو۔ چنانچہ
انوار باورچی خانہ میں چلی گئی۔ اور میں دفتر میں جا بیٹھا
نصف گھنٹہ کے بعد انوار نے مجھے اطلاع دی۔ کہ چاء تیار
ہے۔ میں نے کہا اگر تکلیف نہ ہو۔ تو چاء یہاں ہی لے آئیں
مگر دیکھنا چاء میرے دل کی طرح ٹھنڈی نہ ہو۔ بلکہ تمہاری
محبت کی طرح گرم ہو۔ یہ سُن کر انوار مسکراتے ہوئے
ایک قدم میری طرف بڑھی۔ اور میرے رخسار کا بوسہ
لیکر کہا۔ ایسی ہی گرم ہو نہ؟ میں ہنس پڑا اور کہا۔ ہاں
ایسی ہی گرم ہو۔ اسپر وہ ہنستی ہوئی باورچی خانہ میں
گئی۔ اور ایک ٹرے میں چاء کا سامان لیکر آگئی۔ اس نے
اپنے ہاتھ سے چاء کا کپ میرے لئے تیار کیا۔ اور کہا۔ لیجئے
کپ حاضر ہے۔ میں نے شکریہ کے ساتھ کپ اس کے
دست نازک سے لیا۔ ابھی میں نے دو گھونٹ ہی چاء
پی تھی۔ کہ وہ یک لخت چلا اٹھی۔ نہ پینا۔ نہ پینا۔ یہ
کپ اچھا نہیں۔ میں نے کپ ٹرے میں رکھ کر پوچھا۔ کیوں
اس کپ کو کیا ہو گیا ہے۔ انوار نے بڑی متانت سے کہا۔
اس میں ایک مندری ڈوب گئی ہے۔ میں نے کہا۔ شریر
لڑکی۔ مندری کیا کوئی کالی مکھی تھی۔ جو اس کپ میں ڈوب
گئی۔ انوار نے اسی طرح متانت سے کہا۔ نہیں۔ مکھی وکھی تو نہیں

تھی - بلکہ یہ آپ کی پریم لتا ہی تھی - جو اس میں ڈوب
گئی تھی - میں نے پوچھا - وہ کیسے؟ انوار نے ہنستے ہوئے
کہا - آج میں نے نیت کر لی تھی - کہ جب آپ کپ میں سے
ایک دو گھونٹ پی لینگے - تو اس بہانہ سے کپ آپ
سے لیکر میں اس کو خود پی کر سرشار ہونگی - یہ کہکر
انوار نے کپ منہ سے لگا لیا - اور کہا - واہ! واہ!
چاء کتنی میٹھی ہو گئی ہے - آپ کے ہونٹ کیا ہیں - کوزہ
مصری ہیں - میں اس کی اس ادا پر بے اختیار ہنس دیا
اور کہا - تم پریم دیوانی ہو - تم نے میری چاء ٹھنڈی
کر دی - انوار میری طرف جھکی - اپنا منہ میرے کان کے
نزدیک لاکر کہا - گرم کر دوں؟ میں نے اپنے دونوں
رخساروں پر ہاتھ رکھ کر کہا - نہیں - نہیں - میں
بھول گیا - چاء خوب گرم ہے - اسی طرح بے ایذا ہنسی
مذاق کرتے ہوئے ہم نے چاء نوش کی -

۳

چاء نوشی سے فارغ ہو کر میں اپنا مضمون لکھنے لگ گیا
انوار سے کہا - خیال رکھنا - شام کا کھانا آپ کی سہیلی
کی طرف ہے - دوپہر کا کھانا جلدی تیار کر لینا -
میں اپنے وعدہ کے مطابق تم کو موقع دونگا - کہ تم
ہماری بات چیت سن سکو - تاکہ تمہارے دل میں یہ
شک پیدا نہ ہو - کہ خدا معلوم ہم نے کیا بات چیت کی ہے

مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر میں نے انوار کو ساتھ لیا
بالائی منزل سے دوسری طرف جاکر میں نے انوار کو سیڑھی
کے درمیانی زینہ پر بٹھا دیا - جہاں سے وہ ہماری بات
چیت بخوبی سُن سکتی تھی - ہم نیچے صحن میں گیا - جہاں
گیان میری انتظاری کر رہی تھی - میں نے اسکو حسب دستور
سلام کیا - اس نے میرے سلام کا جواب دیا - میرے لئے
اُس نے آسن بچھا رکھا تھا - میں اس پر بیٹھ گیا - اس
نے میرے ہاتھ دھلائے - اور کھانا میرے سامنے لا
کر رکھا - میں کھانا کھا رہا تھا - اس نے سوال کیا - نئی
سہیلی کی عادات کیسی ہیں ؟ میں نے کہا - بالکل دیوی ہے
ہر وقت خوش رہتی ہے - اور مجھے بھی خوش رکھتی ہے -
نرم ہنسی بہت ہے - گیان نے کہا - خدا کا شکر کریں - کہ
آپ کو ایسی منسوڑ بیوی مل گئی - ورنہ مجھے تو ڈر تھا - کہ
کہیں کوئی رونی صورت آپ کے پلّے نہ پڑ جائے - میرے
متعلق اس کا کیا خیال ہے ؟ میں نے کہا - اس نے آپ کا
نام پران پیاری رکھ چھوڑا ہے - ہر وقت آپ کا وظیفہ
پڑھتی ہے - اور جب آپ سے مل کر جاتا ہوں - تو پوچھتی
ہے - پران پیاری کا کیا حال ہے - گیان نے کہا - دیکھئے
آپ نے مجھے جو سونے کا رانی ہار بنا کر دیا تھا - وہ
اسی طرح ڈبیا میں بند پڑا ہے - میرے کسی کام کا نہیں
وہ آپ لے جائیں - اور میری طرف سے اس کو دے دیں

اس کے پہننے کے دن ہیں۔ میں نے کہا۔ میں ہرگز نہیں
لے جاؤں گا۔ آپ کی چیز آپ کے پاس رہنی چاہئے۔
گیان نے کہا۔ میرے پاس بے فائدہ پڑی ہے۔ میں نے کہا
اس کے لئے بھی جو ہار بنا کر دیا تھا۔ وہ بھی اس کے پاس
ڈبیا میں بند پڑا ہے۔ اس کو خود زیور پہننے کا شوق
نہیں۔ وہ محبت یا پریم کی آرزومند ہے۔ گیان نے
کہا۔ جس مقصد کے لئے یہ شادی کی گئی ہے۔ کیا اس
میں بھی کوئی کامیابی ہوتی نظر آتی ہے۔ میں نے کہا۔ جس
مقصد کے لئے میں نے شادی کی۔ اس میں مجھے کامل و مکمل
و اکمل طور پر کامیابی ہوئی ہے۔ گیان نے پوچھا۔ وہ کیا؟
میں نے کہا۔ عالم روحانیات کے ایک راز کا جاننا۔ گیان
نے پوچھا۔ وہ راز کیا تھا؟ میں نے کہا۔ اس بات کا
پتہ لگانا۔ آیا انسان کی روح جسم سے الگ ہو کر دوبارہ
جسم اختیار کرتی ہے یا نہیں۔ اگر جسم اختیار کرتی ہے
تو بطور قاعدہ کلیہ کے کرتی ہے۔ یا خاص خاص صورتوں
میں؟ گیان نے پوچھا۔ تو آپ کو کیا پتہ لگا؟ میں نے کہا
مجھے یہ پتہ لگا۔ کہ وہ بطور قاعدہ کلیہ کے جسم اختیار
نہیں کرتی۔ بلکہ کسی خاص صورت میں ایسا کرتی ہے۔ گیان
نے کہا۔ یہ تو سری کرشن جی نے بھی گیتا میں کہا ہے۔ کہ
میں دھرم کے ادھار کے لئے ہر زمانہ میں جنم لیتا رہتا
ہوں۔ تاکہ پاپ کا ناش ہو۔ اور پُن پھلے پھولے۔ میں نے کہا

کرشن جی نے یہ اپنے متعلق کہا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ کرشن جی نے اپنے قول کے مطابق کبھی اور کسی جگہ جنم لیکر دنیا پر ظاہر کیا۔ کہ وہ وہی دیو کی نندن ہے۔ جو کورکشیتر کے میدان جنگ میں ارجن کا سارتھی بنا تھا۔ مگر یہ دیوی جو میرے پریم میں وہ تیاگ کر گئی تھی۔ اور جس نے مرتے وقت یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ اسی دنیا میں میری خاطر دوبارہ جنم لیگی۔ اور کہ میں اس کو پہچان لونگا۔ اور وہ مجھے پہچان لیگی۔ اپنے وعدہ کے مطابق جنم لے کر میرے اور تمہارے سامنے موجود ہے۔ جو اس بات کی شہادت ہے۔ کہ خدا قادر مطلق یا سروشکتیمان ہے۔ اور کہ اس کی قدرت کو احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ گیان نے پوچھا۔ کیا آپ کو پورا یقین ہے۔ کہ یہ وہی ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں مجھے پورا یقین ہے۔ کہ یہ وہی ہے۔ اور تمکو وہ کٹھن چور کا واقعہ یاد ہوگا۔ جس سے میری جان خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ اور تم کو بھی میری طرف سے مایوسی ہو گئی تھی۔ گیان نے کہا۔ ہاں مجھے یہ سب کچھ یاد ہے۔ مگر یہ بتائیں۔ کہ شادی کا مقصد صرف اتنا ہی تھا۔ یا اس سے آگے بھی کچھ ہے۔ اگر اتنا ہی مقصد تھا۔ تو وہ پورا ہو گیا۔ لیکن اگر کچھ اور مقصد بھی تھا اور ہے۔ تو اس کے متعلق آپ نے کیا کیا؟

میں نے کہا۔ گیان! یہ مقصد جو میرے سامنے تھا
یہ موجودہ دنیا میں شاید کسی نوجوان کے سامنے نہیں
ہوگا۔ کہ وہ اپنی منگیتر کو مُردوں میں سے زندہ
کئے جانے کا آرزومند ہو۔ اور اس کی آرزو اتنی
زوردار ہو جائے۔ کہ تقدیر کو بھی پلٹ دے اور موت
کو حیات میں تبدیل کر دے۔ سروشکتیمان قادر
مطلق خدا نے ایسا کر کے دکھا دیا۔ اس کے آگے جو
دوسرا مقصد میرے سامنے ہے۔ وہ تزکیہ نفس ہے
تم نے یوگ شاستر میں پڑھا ہے۔ کہ چت کی ورتیوں
کا نرودھ ہی یوگ ہے۔ یعنی ہمارے نفس امارہ میں جو
جائز یا ناجائز ترنگیں اٹھتی ہیں۔ ان کو اپنے قابو میں
رکھنا تزکیہ کی پہلی شرط ہے۔ اس بارے میں تم نے
یم اور نیموں کا حال بھی پڑھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ
بچے پیدا کرنے سے پیشتر شادی شدہ جوڑے کو ان
باتوں کا جاننا اور جس کسی کے لئے ممکن ہو۔ ان پر عمل
کرنا ضروری ہے۔ گیان نے پوچھا۔ ان باتوں کا کسی نئی
دلھن سے کیا واسطہ۔ اس کے سامنے تو صرف اتنی ہی
بات ہوتی ہے۔ کہ اسکی گود ہری بھری ہو جائے۔ یہ بلند
خیالیاں وہ کیا جان سکتی ہے۔ میں نے کہا۔ گیان۔ تمہارا
خیال درست ہے۔ مگر جو دلہا یا دلھن ان باتوں کو سمجھتے
ہوں۔ ان کو تو ان باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے۔ یہ

خیال کہ شادی کا مقصد صرف بچے پیدا کرنا ہی ہے۔ چنداں
وزندار نہیں ہے۔ بچے پیدا کرنے کے علاوہ چند دیگر
باتیں بھی ہیں۔ جو بچوں کی پیدائش سے قبل ہمارے مدنظر
ہونی چاہئیں۔ ہم نے ابھی تک ایسی ہی باتوں کی طرف توجہ
دی ہے۔ گیان نے پوچھا۔ تو کیا آپ ابھی تک اس کے
پاس نہیں گئے؟ گیان کے اس سوال پر میں مسکرا دیا
اور کہا۔ کہ وہ میرے پاس کے پلنگ پر اور کبھی میرے
پلنگ پر سوتی ہے۔ اور بعض اوقات میرے سینہ پر سر رکھ
کر رات بھر سوتی ہے۔ اسکی نیند معصومیت کی نیند ہوتی
ہے۔ میں اپنے چت یا نفس کو سٹڈی کرتا ہوں۔ کہ وہ
کیا چاہتا ہے؟ وہ اس سرکش گھوڑے کی طرح نہیں ہے
جسکی عنان اس کے سارتھی کے ہاتھ میں نہ ہو۔ یا جو
اگاڑی پچھاڑی تڑوا کر چاروں طرف بھاگا پھرتا
ہو۔ اسپر گیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ یہ تو
ٹھیک ہے۔ لیکن اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو
جائے۔ کہ شاید آپ آدمی نہیں ہیں بلکہ فرشتہ ہیں
تو پھر کیا ہوگا؟ میں گیان کے اس سوال پر بے اختیار
ہنس پڑا۔ اور کہا۔ کہ اگر اس کے دل میں یہ خیال
پیدا ہو جائے۔ کہ میں آدمی نہیں ہوں بلکہ فرشتہ
ہوں۔ تو میں اس کی تردید کے لئے اسکو تمہارے
پاس بھیج دونگا۔ کہ جاؤ۔ اپنی پران پیاری سے پوچھ

لو - کہ میں آدمی ہوں یا فرشتہ؟ مجھے امید ہے۔ تم یہی
شہادت دوگی - کہ میں فرشتہ نہیں ہوں - بلکہ آدمی ہوں۔
اسپر گیان نے ہنستے ہوئے کہا - میں تو یہی کہونگی - کہ آپ
مرد ہیں - اور مرد بھی ایسے - جس کو ایک بیوی کی
بجائے کتنی بیویاں ملنی چاہئیں - میں نے بھی مسکراتے ہوئے
کہا - اچھا تو پھر ایک تم اور دوسری وہ - مگر وہ تو آج
تک بند غنچہ ہے - مگر تم پھول ہو - تو ذرا مہربانی کر کے آج
مجھے پھول سونگھنے کی اجازت دیدیجئے؟ گیان نے
اسپر بڑی سنجیدگی سے کہا - میں ہرگز اجازت نہیں
دونگی - کھانا کھلانا تھا - آپ نے کھا لیا - اب آپ جائیں
میں نے کہا - تم برہمن زادی ہو - اور جانتی ہو - کہ جب
برہمن دیوتا کو کھانا کھلایا جاتا ہے - تو کھانے کے بعد
اس کو دکھشنا بھی دی جاتی ہے - تو تم مجھے اب کچھ
دکھشنا بھی تو دو! گیان نے ہنستے مسکراتے کہا - میرے
پاس دکھشنا کے لئے کچھ نہیں ہے - دکھشنا لینی ہو -
تو اپنی نئی سہیلی سے کہنا - یہ کہ کر گیان نے میرے
ہاتھ دھلائے - اور برتن میرے سامنے سے اٹھا لئے -
میں نے کہا - اچھا - تو پھر اب اجازت ہے - میں جاؤں؟
گیان نے کہا - ہاں جایئے - میں اسکو سلام کر کے سیڑھیوں
کی طرف چلا - جہاں میں انوار کو بٹھا گیا تھا - میں نے
دیکھا - کہ انوار دبے پاؤں سیڑھیوں سے اوپر جا رہی ہے،

چھت پر جاکر وہ بے تحاشا اپنے حجلہ عروسی کی طرف
دوڑی جا رہی تھی - وہ مجھ سے پہلے کمرہ میں جاکر میرے
پلنگ پر لیٹ کر کھِل کھلا کر ہنس رہی تھی - مجھے دیکھنے
کے ساتھ ہی اٹھ بیٹھی - اور کہنے لگی - آج تو اپنی پران
پیاری سے خوب میٹھی میٹھی باتیں ہوئیں - میں نے کہا
تم نے ساری سُن لیں - کہنے - تمہارے دل میں کوئی شک
شبہ تو پیدا نہیں ہوا - اُس نے تمہاری بہت تعریف کی
تمکو اپنا زیور بھی دینا چاہا - مگر میں نے لینے سے انکار کر
دیا - دنیا میں کونسی ایسی عورت ہو سکتی ہے - جو اپنی
سوکن کی یوں تعریف کرے - اور خوشی سے اپنا زیور بھی
سوکن کو دینا چاہے - اور سوکن کی خاطر خاوند کو اپنے
پاس سُلانے کی بجائے سوکن کے پاس بھیج کر خوش ہوتی
ہو - انوار تم نے دیکھا - وہ کتنی روشن ضمیر عورت ہے -
وہ دل سے چاہتی ہے - کہ تمہاری گود ہری بھری ہو - یعنی
تم صاحب اولاد بنو - چنانچہ اُس نے اس طرف اشارہ
بھی کر دیا - کہ اس کے پاس دکھشنا کے لئے کچھ نہیں ہے
دکھشنا اپنی نئی سہیلی سے مانگنا - تم اس کا مطلب بخوبی
سمجھ گئی ہو گی - انوار نے کہا - ہاں! میں اس کا مطلب
سمجھتی ہوں - میں نے کہا - تو پھر معاملہ صاف ہے - ہمیں
نور الانوار اور روح الارواح سے دعا مانگنی چاہیئے -
کہ وہ کسی پاک روح کو ہمارا مہمان بنائے - ہم دعا کریں

رَبِّ! میں تیرا پرستار اور یہ تیری
پرستارہ جس کو تو نے اپنے بندے کے
اطمینان قلب کے لئے کہ تو مُردوں کو زندہ
کرنے پر قادر ہے۔ مُردوں میں سے زندہ
کرکے اپنے پورے حسن و جمال کے ساتھ
میری ملکہ بنایا۔ اور ہم نے تیرے اس وعدہ
کے مطابق کہ ہم تیرے حضور میں سر بسجدہ
ہوکر تیری تقدیسیں کرینگے۔ آج تیرے حضور
میں جبین نیاز کو بصد انکسار و خلوص
جھکاتے ہوئے تجھ سے استدعا کرتے ہیں
کہ اگر ہم تیری نظر میں امین بنائے جانے
کے مستحق ہیں۔ تو تو اپنے فضل و کرم سے
کسی پاک روح کو ہماری امانت میں دے
جو ہمارے لئے دل کا نور اور باعث سرور
ہو۔ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ ہم
اس کے لئے سچے امین ثابت ہوں۔ اور
اس کو تیری امانت تسلیم کرتے ہوئے
نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ اس کی
نگہداشت کرسکیں۔ سچا اور حقیقی نگہبان
تو ہی ہے۔ ہم تیرے ہاتھ میں آلہ کار ہیں
تو ہم کو صراط مستقیم پر قائم رکھ۔ آمین۔

انوار نے بھی میرے دعا مانگنے کے بعد آمین کہا جس کا مطلب یہ تھا۔کہ جس روح کو دعوت دینا تھا۔ وہ اس کی میزبانی کے لئے تیار ہے۔ چنانچہ دونوں کی طرف سے نہایت مسرت کے ساتھ دعوت دیدی گئی۔ہم دونوں نے غسل و وضو کر کے رب العزت کے حضور میں دوگانہ شکرانہ ادا کیا۔ انوار اپنے پلنگ پر معصومیت کی نیند سو گئی۔ چند منٹ کے بعد میں بھی سو گیا۔ میں نے محسوس کیا۔کہ میری روح نے میرے جسم سے قطع تعلق کر لیا۔ اور وہ اس زمین سے بہت بالا ایک روشن ستارہ میں چلی گئی۔ پھر وہاں سے دوسرے ستارہ میں پھر تیسرے ستارہ میں گئی۔ یہاں تک کہ میں ستاروں کی سیر کرتا کرتا تھک گیا۔ میری اس سیر کے لئے میرے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ صرف میری قوت ارادہ تھی۔جو پرواز میں مدد دیتی تھی۔ جب میری قوت ارادہ کمزور ہو گئی۔ میں نے چاہا۔ کہ جہاں سے میں اڑا تھا۔ وہاں واپس جاؤں۔ چنانچہ بہ یک لمحہ میں اپنے سونے کے کمرہ میں آ گیا۔ جہاں ایک طرف انوار اپنے پلنگ پر میٹھی نیند سو رہی تھی۔ دوسرے پلنگ پر میرا جسم لطور مردہ کے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اور میں اس جسم پر لطور ایک سنتری کے

منڈلا رہا تھا - اور چاہتا تھا - کہ اپنے اِس جسم میں
دخل پاؤں - مگر میں اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا
کیونکہ میں اس میں سے نکل گیا تھا - میں نے محسوس
کیا - کہ یہ موت نہیں ہے - بلکہ خواب ہے - جو قوت
ارادہ کی کمزوری کا نتیجہ ہے - میں نے مناسب سمجھا
کہ میں انوار کے دماغ میں حرکت پیدا کر دوں - تاکہ وہ
بھی اس کیفیت سے آگاہ ہو جائے - اور حرکت میں
آ کر مجھے بیدار کر دے - چنانچہ جب میں نے میٹھی
نیند سوئی ہوئی انوار کے دماغ پر اثر ڈالا - تو
وہ بھی یہی خواب دیکھنے لگی - گویا کہ میں اُس کو
داغ مفارقت دے گیا ہوں - وہ ڈر گئی - اس نے
مجھے ہلایا - اور کہا - جانی! مجھے ڈر لگ رہا ہے - جب
میں یوں ہلایا گیا - اور میرے کان میں انوار کی آواز
آئی - تو میری روح نے فوراً اپنے جسم میں دخل
پایا - میں بیدار ہوا - انوار کے دھڑکتے ہوئے دل
پر ہاتھ رکھ کر کہا - نور نظر! تم کو ڈر کاہے کا ہے
میں تمہارے پاس ہوں - یہ دیکھو! میرا ہاتھ تمہارے
سینے پر ہے - انوار نے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا - اور
لمبی سانس لیکر کہا - اوہ! کتنا بُرا خواب تھا - توبہ الله -
میں نے کہا - خواب کو بھول جاو - میں جانتا ہوں - تم
نے کیا خواب دیکھا - مگر نیند نہ انوار کو آتی تھی - نہ مجھے -

انوار نے مجھے اپنا خواب سنانا چاہا - میں نے اس کو
روک دیا - اور کہا - میں جانتا ہوں - تم نے کیا دیکھا یا
تم کو کیا دکھایا گیا - اطمینان رکھیں - میں تم کو ہرگز ہرگز
داغ مفارقت نہیں دونگا - تم نے جو کچھ دیکھا - وہ عالم
ارواح کے قدسیوں کی مجلس مشاورت تھی - جس میں
یہ مسئلہ زیر بحث تھا - کہ تمہاری طرف کس روح کو بطور
مہمان بھیجا جائے - اصول یہ طے ہوا کہ ان دونوں میں
سے جس کی محبت دوسرے کی محبت سے زیادہ ہو - یعنی
ان میں سے جو فاتح ہو - اسکی رعایت مدنظر رکھی جائے
لہٰذا ! تمہاری محبت غالب ہے - تم فاتح ہو - میں مفتوح
ہوں - تم کو خوش خبری ہو - کہ آنیوالی روح تمہاری ہی
جنس کی ہو کر آئیگی - یعنی لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہو گی -
اسپر انوار ہنس پڑی اور کہا - اوئی ماں ! یہ آپ جیوتشی
کیسے بن گئے - میں نے کہا - میں جیوتشی نہیں ہوں - میں نے
تمکو عالم ارواح کا راز بتا دیا - یہ ضروری نہیں - کہ تم مجھ
پر ایمان لے آؤ - اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا - ہماری اس
مسئلہ پر بحث جاری تھی - کہ موذن کی اذان ہمارے کان
میں آئی - ہم ضروریات سے فارغ ہو نہا دھو وضو کرکے خدا
کی حضوری میں حاضر ہو گئے - نماز سے فارغ ہو کر انوار نے
حسب دستور باورچی خانہ کا رخ کیا - تاکہ چاء اور ناشتہ
تیار کرے - میں دفتر میں جاکر مضمون لکھنے میں مصروف ہو گیا

باب دوازدہم

نویں فصل

آٹھویں رات

تبلیغ

(۱)

چاء ناشتہ تیار کر کے انوار نے پوچھا - چاء یہاں دفتر میں لاؤں - یا وہاں چلنا ہے - میں نے کہا اگر تکلیف نہ ہو - تو یہاں ہی لے آئیں - چنانچہ انوار نے اس جواب کو اپنے مُدعا کا پا کر چند منٹ میں چاء کا تمام سامان ٹرے میں رکھ کر دفتر میں سجا دیا - اور کہا - آج آپ اپنے دست مبارک سے خود چاء بنائیں - اور مجھے بھی دیں - میں نے کہا - یہ کیوں ؟ انوار نے مسکراتے ہوئے کہا - کل آپ کے ہاتھ سے کپ لیکر میں نے پیا - مجھے اس میں اتنی شیرینی اور لذت محسوس ہوئی - کہ اپنے ہاتھ سے چاء بنا کر پینے سے اتنی

لذت مجھے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی - میں نے ہنس کر کہا - تم پریم دیوانی ہو - مثل مشہور ہے - دیوانہ بہ کار خویش ہوشیار - آج تمکو میرے ہاتھ سے تیار کی گئی چاء کی پیالی میں لذت محسوس ہوگی - کل کو تمہارا یہ تقاضا ہوگا کہ میں تمہارے لئے سالن بھی تیار کر دوں - اور چپاتی بھی بناؤں - کیونکہ میرے ہاتھ سے تیار کئے گئے سالن اور چپاتی میں تم کو لذت محسوس ہوگی - انوار اس پر ہنس پڑی - میں نے کہا - مضائقہ نہیں - مجھے یہ سب کچھ منظور ہے - مگر میں ماں سے کہونگا - یہ لونڈیا میرے کام میں حرج کرتی ہے - میں یہاں نہیں رہونگا - باہر چلا جاؤنگا آپ اس کے پاس آکر رہیں - انوار اس پر ہنس پڑی اور کہنے لگی - میں آپ کو باہر نہیں جانے دونگی - میں نے کہا - مجھے یہ بھی منظور ہے - مگر تم کو میری جگہ باہر تبلیغ دین کے لئے جانا پڑیگا - یہ دیکھئے - کتنی جگہ سے بلاوے آئے پڑے ہیں - اور میں انکو اطلاعیں دے چکا ہوں - کہ میں بہت جلدی آرہا ہوں - انوار نے بڑی سنجیدگی سے کہا - اگر میرے ماں باپ نے مجھے یہ تعلیم دی ہوتی - تو میں بھی کام کرتی - میں نے کہا - تو تم اب یہ تعلیم مجھ سے حاصل کر لو - انوار نے کہا - مجھے یہ تعلیم دیجئے میں نے کہا - پہلے میں تمکو چاء کا کپ تو تیار کر کے دوں تاکہ چاء ٹھنڈی نہ ہوجائے - انوار نے کرسی کھسکا کر

میرے نزدیک لاکر کہا - آپ اس کا فکر نہ کریں - میں
گرم کر دونگی - میں ہنس پڑا - تم بہت اچھی لڑکی
ہو - میں ضرور ماں سے شکایت کرونگا - کہ یہ چاء ٹھنڈی
کرکے پلاتی ہے - انوار نے اس پر کھل کھلا کر ہنستے ہوئے
میرے دونوں رخساروں کو اپنے یاقوتی لبوں کا نشانہ
بنا کر کہا - چاء ٹھنڈی ہے! یہ لونڈیا دق کرتی ہے!! ماں سے
شکایت کرونگا - بہت اچھا حضور - شکایت کر لینا - مگر
ذرا دق تو کرلوں - تاکہ شکایت سچی ہو - میں نے کہا
آخراب بالکل شہد کی مکھی ہی بن جاؤ گی - دیکھو چاء ٹھنڈی
ہو رہی ہے - انوار نے کہا - اچھا - وعدہ کیجئے - کہ آپ ماں
سے شکایت نہیں کرینگے - میں نے رخساروں پر ہاتھ
رکھ کر کہا - حضور میری توبہ - انوار نے بے تحاشا ہنستے
ہوئے کہا - اپنے رخساروں پر سے ہاتھ اٹھا لیجئے - ورنہ
چاء بالکل ٹھنڈی ہو جائیگی - چنانچہ اسی ہنسی مذاق میں
جب چاء ناشتہ ہو چکا - تو میں نے کہا - عزیز از جان!
اب ذرا سنجیدہ ہو کر سنئے - میں ایک دو دن میں
سفر پر چلا جاؤنگا - تم نے پیچھے اداس نہ ہو جانا
امی جان اور تمہاری چھوٹی بہن رات دن تمہارے پاس
رہینگی - میاں صاحب بھی میری عدم موجودگی میں خبر گیری
کرینگے - رات کو میری بچی بھی تمہارے پاس سویا کریگی
تم تب نے ہال کمرہ میں رات کو سونا - ڈرنا نہیں ہوگا

میں نے کہا - اب تم جاؤ - دوپہر کے کھانے کا بندوبست کرو - باقی باتیں رات کو بتائی جائینگی - انوار نے ہلکی سی ٹھنڈی سی سانس لی - اور محبت بھرا بوسہ لیکر چلی گئی

(۲)

میں دفتر میں کام کرتا رہا - دوپہر کا کھانا کھایا - اور پھر مغرب کی نماز تک کام میں مصروف رہا - مغرب کی نماز ہم دونوں نے مل کر ادا کی - شب کے کھانے سے فارغ ہوکر ہم اپنے سونے کے کمرے میں چلے گئے انوار اس خیال سے کہ میں جلدی ہی سفر پر جانیوالا ہوں - کسی قدر اداس تھی - میں نے اس کو ذرا گدگدایا اور ہنسایا - اور کہا - میں انڈیا کے دور دراز کے صوبوں میں نہیں جاؤنگا - بلکہ تمہاری خاطر میں نے صرف پنجاب کا ہی پروگرام بنایا ہے - انوار نے پوچھا - آپ کہاں کہاں جائینگے؟ میں نے کہا - یہاں سے میں پہلے منٹگمری جاؤنگا - اگر کسی دوسری جگہ کی اطلاع نہ گئی - تو ایک دو دن کے لئے واپس آکر جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان - پشاور - دسوہہ ضلع ہوشیارپور - مکیریاں - روپڑ وغیرہ کا پروگرام بناؤنگا - انوار نے کہا - آپ پہلے دسوہہ اور روپڑ کیوں نہ جائیں - میں نے کہا - تم اطمینان رکھو - میں حتی المقدور تمہارے نزدیک ہی منڈلاتا ہوا تبلیغ کرونگا -

انوار نے کہا۔ آپ مجھے بھی بتائیں۔ کہ آپ کیا تبلیغ کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ عزیز از جان تم نے بہت اچھا سوال کیا۔ میں تم کو مختصر طور پر بتا دیتا ہوں۔ کہ میں کیا تبلیغ کرتا ہوں تاکہ تم اگر میرے ساتھ باہر نہ جا سکو۔ تو گھر میں رہ کر اپنے بھائی۔ بہنوں۔ اور ملنے والی مستورات کو یہی باتیں بتا دیا کرو۔ اچھا۔ تو تم ذرا غور سے سُن لو:۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ اس دنیا کا خالق و مالک۔ قادر مطلق خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ دنیا کا کوئی انسان نبی۔ یا رسول۔ رشی یا مُنی۔ ولی یا قطب۔ غوث یا ابدال اس کا شریک نہیں۔ دنیا کی ہر ایک چیز تبدیلی پذیر ہے۔ اور موت کے چنگل میں ہے۔ صرف وہی ذات پاک ہے۔ جو غیر مبدل اور لایموت ہے۔ وہ عقل اولین ہے۔ اور عقل کل ہے۔ اس نے نہایت عقلمندی سے اس کائنات کو۔ سورج۔ چاند زمین اور ستاروں کو پیدا کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مقررہ راستے پر چل رہا ہے۔ اور اپنے فرض کو نہایت اچھی طرح پورا کر رہا ہے۔ انسان ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور ٹکراتے ہیں۔ مگر یہ سورج۔ چاند اور بے شمار ستارے آپس میں نہیں ٹکراتے۔ ہماری ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں آپس میں بھڑ جاتی ہیں۔ مگر یہ روشن کرے آپس میں نہیں بھڑتے۔ ہم کتنا شور وغل کرتے ہیں۔ مگر رات کو جب ہمارا شور وغل بند ہو جاتا ہے۔ اور ہم سو جاتے ہیں۔ تو

یہ بے شمار روشن مخلوق آسمانوں پر جاگ پڑتی ہے۔ اور ہماری تاریک زمین پر روشنی ڈالتی ہے۔ مگر کیا مجال ہے جو اس روشن مخلوق کا کوئی فرد ذرا سی بھی آواز نکالتا ہو۔ چاروں طرف سناٹا اور خاموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ خدا کے نیک بندے جو شور و غل سے گھبراتے ہیں وہ رات کی اس خاموشی میں خدا کی اس روشن ترین مخلوق کی مجلس میں شرکت کرتے" اور اپنے خالق و مالک سے ملتے" اور اس سے باتیں کرتے ہیں۔ نور نظر! کیا تم نے بھی کبھی اس سے باتیں کی ہیں؟

۲۔ دوسری بات جو میں تبلیغ میں کہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہمیں اس وحدہ لاشریک کے پاک بندوں سے جنکو نبی۔ رسول۔ رشی۔ منی۔ ولی۔ قطب اور ابدال کہا جاتا ہے۔ محبت کرنی چاہیئے۔ اور کسی کی شان میں کوئی کلمہ بد نہیں کہنا چاہیئے۔ نہ ہی گستاخی کرنی چاہیئے۔ اور نہ ہی کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا چاہیئے۔ خدا نے اپنے پیارے نبی کی معرفت ہم کو جو تعلیم دی ہے۔ ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس نبی سے بڑھ کر دنیا میں ہمارا کوئی رہبر و رہنما نہیں۔ نہ کوئی پیر فقیر یا ولی اس سے بلند مرتبہ پا سکتا ہے۔ جو مسلمان اس نبی کو خدا کا شریک یا خدا کا اوتار کہتے ہوں۔ وہ گستاخ ہیں۔ گمراہ ہیں۔ وہ نبی کو خدا کا اوتار بنا کر خدا اور نبی دونوں کی توہین کرتے ہیں

۳۲- نورِ نظر! میں تم کو تمہارے مطلب کی ایک بات بتا دوں - دیکھو! تمہارے ماں باپ نے تمہارا نام فاطمہ رکھا - مگر میں تم کو فاطمہ کے نام سے نہیں پکارتا - تم نے غور کیا - کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ انوار نے کہا - نہیں میں نے اس پر غور نہیں کیا - میں نے کہا - تو میں تم کو اس کی وجہ بتا دیتا ہوں - در اصل فاطمہ میرے اِس پیارے نبی کی پیاری صاحبزادی کا نام تھا - جس کو خدا نے اپنے کلام پاک میں جا بجا نبی یا رسول کے نام سے ہی مخاطب کیا ہے - آپ کا ذاتی نام بطور تعارف کے ایک دو جگہ ضرور لیا ہے - مگر باقی سب جگہ نبی یا رسول کہکر یا زیادہ محبت سے عبدہٗ کہکر ہی خطاب کیا ہے - میرے دل میں اس نبی کے احترام کا جذبہ مانع ہے - کہ میں اُن کا یا اُن کی صاحبزادی کا نام عامیانہ طور پر لوں - نکاح نامہ میں تمہارا پیدائشی نام فاطمہ ضرور درج ہے - مگر میں تم کو فاطمہ کے نام سے نہیں بلاتا - تاکہ اس نام میں میرے نبی کی صاحبزادی کے لئے جو احترام میرے دل میں ہے - میں اس احترام میں تم کو ان کا شریک نہیں بنا سکتا - میں ڈرتا ہوں - کہ کہیں میں بے ادبی سے تمہارے پیدائشی نام کو نام سے نہ نکال دوں - تم اس کو میری کمزوری خیال کرو - مگر حقیقت یہی ہے - کہ تم میرے لئے نورِ نظر ہو - عزیز از جان ہو - انوار ہو - مگر میں تم کو فاطمہ کے نام سے نہیں بلا سکتا

تم اس بارے میں میری تائید کروگی۔ اگر میں یہ کہوں
کہ جس دن سے تم میرے گھر آئی ہو۔ تم نے ایک دن یا
ایک دفعہ بھی مجھے میرے نام سے نہیں پکارا۔ نہ تم نے مجھے کبھی
غازی محمود کہا۔ نہ دوسپال کہا۔ نہ میرا پیارالٹی نام غفور
ہی منہ سے نکالا۔ اگر اور کچھ نہیں تھا۔ تو مجھے غفوری
ہی کہہ دیا ہوتا۔ اسپر انوار نے جھرجھری لی۔ اور کہا
ادئی ماں! میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں۔ میری تو زبان
کٹ جائے۔ اگر میں آپ کا ذاتی یا پیارالٹی نام لوں۔
میں نے کہا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ انوار نے کہا۔ وجہ
میں کیا بتاؤں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ کہ میں آپ کا نام لوں
میں نے کہا۔ تو پھر اس کی وجہ میں بتا دیتا ہوں۔ تمہارے
دل میں میرے لئے جو عزت و احترام کا جذبہ اور پریم
یا محبت کا سمندر موجزن ہے۔ وہ مانع ہے۔ کہ تم میرا
نام لو۔ حالانکہ دن یا رات میں تم کئی بار محبت سے میرا
منہ چومتی ہو۔ میری پیشانی۔ میری آنکھوں کو اور میرے
رخساروں کو بوسہ دیتی ہو۔ مگر میرا نام لینے کی تم کو جرات
نہیں ہوتی۔ اس سے تم نتیجہ نکال سکتی ہو۔ کہ جہاں بے لاگ
محبت ہوتی ہے۔ وہاں نام مٹ جایا کرتا ہے۔ اور ذاتی
نام کی بجائے صفاتی نام آجایا کرتے ہیں۔ خدا نے بھی اپنے
پیارے نبی کو مزمل۔ اور مدثر۔ اور سراج منیر۔ رؤف۔ رحیم
اور رحمت اللعالمین وغیرہ صفاتی ناموں سے یاد کیا ہے۔

۱۳- نورِ نظر! میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ خدا کا دین اسلام سچا دین ہے۔ اور وہ خدا کی طرف سے ہے۔ جس طرح خدا کی زمین سب کے لئے ہے۔ اسی طرح خدا کا سورج اور چاند سب کو یکساں روشنی دیتے ہیں۔ خدا نیک و بد۔ کافر اور مسلم سب پر یکساں مینہ برساتا ہے۔ زندگی اور موت کے قوانین سب کے لئے یکساں بنائے ہیں۔ اسی طرح اُس نے اپنا دین بھی سب کے لئے یکساں بنایا ہے۔ اس نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ کہ یہودی ہو۔ یا مسلمان ہو۔ نصرانی ہو۔ یا کسی قوم کا فرد ہو۔ مگر وہ جو خدا پر اور روزِ جزا پر ایمان لاتا اور نیک کام کرتا ہے۔ وہ خدا کے ہاں اعمالِ نیک کا اجر پاتا ہے۔ اسکے لئے کوئی خوف یا حزن و ملال نہیں۔ میرے نبی نے بھی فرمایا ہے۔ کہ خدا کسی کی شکل و صورت کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے اعمال اور تمہارے قلوب کو دیکھتا ہے۔ میں یہ تلقین کرتا ہوں کہ ہمیں فرقہ بندی سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ خدا کا فرمان ہے۔ کہ تم سب مل جل کر رہو۔ اور فرقے مت بناؤ۔ اگر تم فرقے بناؤ گے۔ تو تمہاری ہوا یا تمہاری ساکھ بگڑ جائیگی۔ اور تم دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ میں یہ بھی تلقین کرتا ہوں۔ کہ کسی کلمہ گو پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ۔ کیونکہ کسی کے کوز و اسلام کا علم خدا کو ہی ہے۔ جو دِلوں کی کیفیت کو جانتا ہے۔ مگر تم کسی کے دل کو چیر کر نہیں

دیکھ سکتے ہو۔ اگر وہ شخص جس پر تم نے کفر کا فتویٰ لگایا۔ خدا کے نزدیک کافر نہیں ہے۔ تو تم خود کافر ہو گے۔ لو رلظر! میں مسلمانوں کو اس کفر تکفیر سے منع کرتا ہوں۔

۴۔ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم بھی دیتا ہوں۔ کہ وہ بیاہ شادی یا ختنہ وغیرہ کے موقع پر بری رسومات نہ کیا کریں۔ نہ ہی ڈھول ڈھمکہ اور ناچ مجرا کروایا کریں۔ کیونکہ یہ سب شیطانی حرکات ہیں۔ خدا اور اس کے رسول نے ان باتوں کی مخالفت کی ہے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ قبروں کو پختہ بنا کر ان پر چادریں چڑھا کر قبروں کو غسل دینا اور پھر اس غسل کے پانی کو تبرکاً پینا بالکل مشرکانہ اور ہندوانہ رسم ہے۔ وہ بھی اپنے مہاتما یا بت کو نہلا کر اس پانی کا چرن امرت پیتے اور اسکو ذریعہ نجات گردانتے ہیں۔ میں لوگوں کو تعویز گنڈوں سے بھی منع کرتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ لوگ کسی پیر فقیر کی قبر پر یا اس کے پاس ہی کسی درخت پر تعویذ۔ گنڈے باندھ دیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ پیر جی ان کی مراد پوری کر دینگے۔ اگر پیر میں کسی مرید کی مراد پورا کرنے کی طاقت ہوتی۔ تو وہ خود نہ مرا ہوتا۔ لاکھوں من مٹی کے نیچے کیوں دبا رہتا۔ وہ قبر سے باہر آ جاتا۔ یہ سب مشرکانہ باتیں ہیں

۵۔ نورِ نظر! میں یہ بھی تبلیغ کرتا ہوں۔ کہ ہمارا ملک آزاد تھا۔ اس پر ہماری حکومت تھی۔ مگر ہماری عیش پرستی اور آپس کی لڑائی بھڑائی کی بدولت ہماری حکومت جاتی رہی اور ہزاروں میل دور سے آکر انگریز نے اس ملک پر قبضہ کرلیا۔ اپنا ملک انگریز کے قبضے سے نکالنے کے لئے ہمیں دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو جہاد۔ دوسرے اتحاد۔

جہاد کے لغوی معنی ہیں جد و جہد یا کوشش کرنا۔ ملک کی آزادی کے لئے چار قسم کے جہاد کی ضرورت ہے۔ جہاد با اللسان یعنی تقریر۔ دوسرے جہاد بالقلم یعنی تحریر۔ تیسرے جہاد بالنفس یعنی ریاضت۔ چوتھے جہاد بالسیف یعنی تلوار۔ ان چار قسم کے جہادوں میں سے جہاد بالنفس سب سے زیادہ مشکل ہے۔ قلم اور زبان کا جہاد آسان ہے۔ تلوار کا جہاد حکومت کے ذمہ ہوتا ہے میں سالہا سال سے قلم اور زبان یعنی تحریر اور تقریر کے ذریعہ وطن کی آزادی کے لئے جہاد کر رہا ہوں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اس میں ہندو بھی ہمارا ساتھ دیں۔ اور وہ جنم کی بنا پر ذات پات اور چھوت چھات کو ترک کر کے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کریں۔ ہندوؤں کا سمجھدار طبقہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر وطن کی آزادی کے لئے کوشش کرنے کے حق میں ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا سمجھدار طبقہ بھی ہندوؤں کے ساتھ مل کر ملک کی آزادی حاصل کرنے کے

حق میں ہے۔ مگر دونوں طرف ایک ایسا طبقہ بھی ہے۔ جو انگریز کا نمک خوار اور ملک کا غدار ہے۔ اس طبقہ کا یہ بد خیال ہے۔ کہ اگر انگریز یہاں سے چلا گیا۔ تو اس طبقہ نے ملک سے ساتھ غداری کر کے جو کچھ انگریز سے حاصل کیا ہے۔ وہ اس کے ہاتھ سے چھن جائیگا۔ انگریز کی نسبت ہمارے وطن کی آزادی کے راستے میں سب سے بڑی یہی رکاوٹ ہے۔ اس طبقہ کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔ انوار نے پوچھا۔ اس طبقہ کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ نور نظر تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔ میں یہ کام کرتا ہوں۔ کہ دونوں طرف کے اس طبقہ کے افراد کی ضمیر سے اپیل کی جائے۔ اور وہ اپیل ہندوؤں کے لئے ان کے وید اور سمرتی سے اور مسلمانوں کے لئے قرآن اور حدیث سے کی جاتی ہے۔ دونوں طرف جو سعادت مند۔ اور وطن دوست روحیں ہوتی ہیں۔ وہ میری اس اپیل پر لبیک کہتی ہیں اور ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے لگ جاتی ہیں مگر جن کے ماتھے پر وطن فروشی اور غداری کی مہر لگی ہوتی ہے۔ وہ ہمیں گرفتار کروانے اور ہمارے برخلاف عدالتوں شہادت دیکر ہمیں سزا دلانے سے دریغ نہیں کرتے۔ مگر ہم اپنا کام برابر کئے جاتے ہیں

۶۔ نورِ نظر! میں اپنی تبلیغ میں زیادہ زور جہاد کے مسئلہ پر جسکا تعلق نفس کی اصلاح سے ہے۔ دیتا ہوں۔ میرے اپنے تجربہ میں اس سے زیادہ مشکل مسئلہ کوئی نہیں۔ اور نہ ہی کوئی ایسا واقعہ میرے مطالعہ میں آیا۔ کہ ایک سترہ سال کی خوبصورت بیوی جس سے زیادہ خوبصورت عورت انڈیا بھر میں میری نظر سے نہ گذری ہو۔ وہ سات رات میرے سینہ پر اپنی عنبریں زلفیں بکھیرے اور اپنے مرمریں بازو میرے گلے میں حائل کیئے سوتی رہے۔ اور میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے میں مصروف رہوں۔ کہ سنبھل جا۔ اور سمجھ جا۔ یہ تیری منکوحہ بیوی ہے۔ مگر جنت کی حور بنا کر تیرے لئے عالم ارواح سے عالم اجسام میں بھیجی گئی ہے۔ اس سے قبل بھی کئی دفعہ تیرا امتحان ہو چکا ہے۔ یہ آخری امتحان ہے اگر تو اس میں پاس ہو گیا۔ تو تیرے لئے جنت کا دروازہ کھل جائیگا۔ چنانچہ اس صبر شکن جہاد میں میرا نفس پاس ہو گیا۔ عزیز از جان نورِ نظر۔ کیا تم اس واقعہ کی گواہ نہیں ہو۔ کہ ایسا ہوا۔ انوار نے میری دیدہ بوسی کرتے ہوئے کہا۔ ہاں میرے محبوب میں گواہی دیتی ہوں۔ کہ ایسا ہوا۔ تو کیا تم خیال کرتی ہو۔ کہ یہ کوئی آسان سا مسئلہ تھا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میرے خدا کا ارشاد ہے۔ کہ وہ نجات پا گیا۔ جس نے

اپنے نفس امارہ کو مارا - اور تزکیہ کیا - نور نظر! مجھے
وہ دن یاد ہے - جبکہ میں نے تم پر سہواً نظر ڈالی تھی
مگر مجھے حور و ملائک کی طرف سے وہ سرزنش ہوئی تھی
جس کو تمہاری سہیلی گیان نے بہ چشم خود دیکھا - اور آج
وہی حور و ملائک ہیں - جو ہماری محبت پر مسرت کا اظہار
کر رہے ہیں - یہ صلہ ہے جہاد بالنفس کا -

۷ - نور نظر! میں اس بات کی بھی تبلیغ کرتا ہوں - کہ
جب روح اس جسم سے الگ ہو جاتی ہے - تو وہ کہاں
جاتی ہے - اور اس کا حشر کیا ہوتا ہے - میں اس کا بہت
سا حال تم کو بتا چکا ہوں - اور اس کے متعلق تمہارا
اپنا ذاتی تجربہ بھی ہے - اس سے ان لوگوں کو عبرت
ہونی چاہئے - جو یہ خیال کرتے ہیں - کہ روح جسم کے
ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے - اور کہ اس کا حشر و نشر
کچھ نہیں ہوتا - اس غلط عقیدہ کی بنا پر وہ گناہ کرنے میں
دلیر ہو جاتے ہیں - وہ کہتے ہیں - کہ جب روح جسم کے فنا ہونے
پر ہی فنا ہو جاتی ہے - تو جسمانی لذتوں کو جتنا زیادہ سے
زیادہ حاصل کر لیا جائے - اتنا ہی نفع ہے - وہ چوری چکاری
ڈاکہ زنی - قتل و غارت - جھوٹ فریب کرنے میں دلیر ہو جاتے
ہیں - میں اپنی تبلیغ میں اس غلط خیال کی بھی تردید کرتا ہوں
اس سے بہت سی سعادت مند روحوں کو گناہوں سے تائب
ہونے اور نیک راستہ پر چلنے کی توفیق ملتی ہے -

۸ - عزیزاز جان! تم خیال کروگی - کہ میں تبلیغ کے کام میں اتنی دلچسپی کیوں لیتا ہوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے خالق و مالک کا میرے نبی پاک کے نام ارشاد ہے کہ تم اس کلام کی جو ہم تم پر نازل کرتے ہیں - تبلیغ کردو - تبلیغ کے معنی ہیں - کسی حکم کو شرح و لبط کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دینا - خدائے قادر مطلق نے نبیوں اور رسولوں کو تبلیغ دین کے لئے مبعوث فرمایا - اس سے پتہ لگتا ہے - کہ تبلیغ دین نبیوں اور رسولوں کا فرض منصبی ہے - ہمارے نبی کریم کو کفار اور مشرکین مکہ اور طائف نے سخت تکالیف دی تھیں - آپ پر کھانا پانی تک بند کر دیا تھا - آپ پر پتھر اور اینٹ روڑے مارے جاتے تھے - آپ کے راستے میں کانٹے بکھیر دئے جاتے تھے - جب آپ تبلیغ دین فرماتے تھے - تو آوارہ لڑکوں کو شور مچانے کے لئے کفار اور مشرکین اکساتے تھے - تاکہ سننے والوں پر آپ کے کلام کا اثر نہ پڑے - آپ کو شہید کرنے کی سازشیں کی گئیں - خدائے عالم الغیب نے اس سازش کی آپ کو اطلاع دیدی - آپ اپنے پیارے شہر مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے - مگر کفار اور مشرکین نے وہاں بھی آپ پر چڑھائی کر دی - آخر کار خداوند کریم نے حکم دیدیا - کہ ان کافروں سے جہاد کرو - اور

جہاں سے تم کو جبراً نکالا گیا ہے۔ وہاں سے تم ان کو نکال دو۔ یہ خیال نہ کرنا۔ کہ تم تعداد میں ان سے کم ہو۔ خدا باطل کے مقابلہ پر حق کو فتح دیتا ہے۔ آخر خدا کا دین کفر پر غالب آیا۔ نورِ نظر! میں چاہتا ہوں۔ کہ دین حق کا کفر پر غلبہ ہو۔ اسی لئے میں تحریر اور تقریر کے ذریعہ اس کام میں لگا رہتا ہوں

۹ - نورِ نظر! تم نے مجھ سے پوچھا تھا۔ کہ میں کیا تبلیغ کرتا ہوں۔ میں نے تم کو مختصر سا بتا دیا ہے رات زیادہ جا چکی ہے۔ اب تم آرام سے سو جاؤ۔ انوار نے میری دیدہ بوسی کرتے ہوئے کہا۔ میرے محبوب! آپ نے مجھے یہ تبلیغ کر کے نہال کر دیا ہے میں خدا سے دعا کرتی ہوں۔ کہ مجھے بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ہو۔ اگر میرے ماں باپ نے آپ کی سی تعلیم دی ہوتی۔ تو میں اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹاتی۔ اب تو یہی آرزو ہے۔ کہ اگر خدا نے مجھے اولاد دی۔ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ میں اس کو اعلےٰ تعلیم دلا کر آپ کے نقش قدم پر چلانے کی کوشش کرونگی میں نے اسپر آمین کہا۔ انوار نے محبت سے میرے بازو پر سر رکھ دیا۔ اور ایک بچے کی طرح معصومیت کی نیند سو گئی۔ میں کچھ دیر اس مضمون پر مزید غور کرتا رہا۔ آخر خود بھی سو گیا۔ یہاں تک کہ صبح موذن کی اذان نے جگایا

باب دوازدہم

دسویں فصل

روانگی

۱

صبح کی نماز اور دعا سے فارغ ہو کر میں نے انوار سے کہا۔ عزیز از جان! میں نے تم کو اپنی زندگی کا مشن سمجھا دیا ہے۔ میں آج کسی ٹرین سے اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤنگا۔ انوار کے سامنے ایک طرف تو اس کے محبوب کی جدائی تھی۔ خواہ وہ چند روز کے لئے تھی۔ دوسری طرف اس کے محبوب کا مشن تھا جو انسانی نہیں بلکہ یزدانی تھا۔ اس نے تذبذب کی حالت میں بہت اچھا تو کہ دیا۔ مگر لہجہ میں کسی قدر اداسی تھی۔ میں نے اس کو بھانپ لیا۔ اور ضروری سمجھا۔ کہ اس کو مزید سرمن دوں۔ میں نے اسکو بتایا کہ خدا نے اپنے برگزیدہ نبی کو تبلیغ کی ہدایت کرتے ہوئے یہاں تک تاکید کی ہے۔ کہ اے نبی اگر تو تبلیغ نہیں کریگا تو سمجھا جائیگا۔ کہ تو نے فرض رسالت کو پورا نہیں کیا۔

خود رسول کریم نے ہر ایک مسلمان کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تم میری طرف سے تبلیغ کرو خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔ جو شخص مسلمان کہلا کر تبلیغ دین سے پہلو تہی کرتا ہے۔ وہ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے۔ جو خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہو۔ اس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ نور نظر! تم کو خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے مردوں میں سے صرف اس لئے زندہ کیا۔ تاکہ تم اس کے دین حق کی صداقت پر شہادت دو۔ اسپیرالنوار نے اپنے سر مریم بانو میرے گلے میں حائل کر کے محبت سے بوسہ دیا۔ اور کہا میرے محبوب! دل بے چین ہے۔ چاہتی ہوں۔ کہ آپ کے ساتھ جاؤں۔ مگر میری تعلیم اتنی نہیں۔ کہ اس نیک کام میں آپکا ہاتھ بٹا سکوں۔ میں آپ کی کامیابی کے لئے۔ آپ کی صحت کے لئے۔ آپ کی درازئ عمر کے لئے دعا کرتی رہونگی۔ میں نے کہا۔ نور نظر اگر تم ایسا کروگی تو مجھے جس قدر تبلیغ کا ثواب ملیگا۔ اس سے کئی گنا ثواب تم کو ملیگا۔ اور میں بھی خدا سے دعا کرونگا۔ کہ میرے لئے تمہارے دل میں جو پریم ہے۔ وہ تمہارے ان عنبریں گیسوؤں کی طرح زیادہ سے زیادہ بڑھتا جائے۔ تمہارے حسن و جمال میں دن دونی ترقی ہو۔ تمہارے دُرِ دانہ سوتیوں کی آب و تاب میں اضافہ ہو۔ تمہارے

شکر ریز لب لعلین کی شیرینی میرے لئے آبِ حیات
ثابت ہو۔ اور تم میرے ساتھ اسی طرح لپٹی رہو۔
جس طرح عشق پیچاں کی نرم و نازک بیل میرے جیسے
رُوکھے۔ سوکھے۔ ٹیڑھے۔ ترچھے۔ لنڈ۔ منڈ۔ ٹنڈ
درخت سے لپٹی۔ بڑھتی۔ چڑھتی جاتی ہو۔ میرے
اس آشیرواد پر انوار کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اور
اس کی ساری اداسی کافور ہو گئی۔ میں نے اسکو محبت
سے کہا۔ لو۔ بس۔ اب جاؤ۔ چاء تیار کرو۔ اتنے میں
ماں بھی آجائیگی۔ چاء ناشتہ کر کے میں روانہ ہو جاؤنگا۔

-۲-

انوار مجھ سے پیار کر کے باورچی خانہ میں چلی گئی۔ ماں بھی
آگئی۔ ماں کو سب معاملہ سمجھا دیا گیا۔ میں نے چاء پی اور
انوار نے مجھے اور میں نے انوار کو فی امان اللہ کہا۔ ٹرین
پکڑنے کے لئے سٹیشن پر پہنچا۔ غازی گھاٹ کا ٹکٹ
بنوایا۔ ٹرین آگئی۔ میں سوار ہو گیا۔ غازی گھاٹ پر
رات بسر کی۔ دوسرے دن صبح کو کشتی کے ذریعہ دریائے
سندھ کو عبور کیا۔ دوسرے کنارے پر تانگہ پکڑا۔ اور
جام پور پہنچا۔ احباب نے خیر مقدم کیا۔ رات کو تقریر
ہوئی۔ دوسرے دن صبح کو جام پور کے شیریں خربوزے
کھائے۔ شب کو پھر تقریر ہوئی۔ تیسرے دن جام پور کو
الوداع کہکر الٹے پاؤں لوٹا۔ کشتی کے ذریعہ دریا سندھ

کو عبور کر کے غازی گھاٹ آگیا۔ جہاں سے ٹرین پکڑ
دوسرے دن منٹگمری میں اترا۔ یہاں میرے گاؤں
کے ہی حکیم حاذق خانصاحب عبداللہ خاں منٹگمری کی
نہایت شاندار اور وسیع جامع عیدگاہ کے خطیب تھے
عیدگاہ میں جلسہ ہو رہا تھا۔ کئی دیگر علماء بھی تشریف
لائے ہوئے تھے۔ شب کو میری تقریر ہوئی۔ دوسرے
دن بھی تقریر ہوئی تھی۔ دوپہر کو میرے پاس پاک پٹن
شریف سے ایک قاصد آیا۔ اور پاک پٹن شریف کے
سجادہ نشین جناب دیوان صاحب کا پیام مجھے دیا۔ حالانکہ
پاک پٹن میرے پروگرام میں نہیں تھا۔ میں نے قاصد سے پوچھا
کیا پاک پٹن میں جلسہ ہے۔ یا صرف مجھے ہی بلایا ہے۔
قاصد نے کہا۔ جلسہ ہے۔ ایک دو علماء وہاں پہنچ گئے
ہیں۔ دو علما کی اور ضرورت ہے۔ ایک کے ساتھ تو معاملہ
طے ہو گیا ہے۔ آپ سے طے کرنا ہے۔ میں نے پوچھا۔ وہ
کونسا عالم ہے۔ اور اس سے کیا طے ہوا۔ قاصد نے مجھے
عالم صاحب کا نام بتایا۔ اور کہا۔ چالیس روپیہ میں
معاملہ طے ہوا ہے۔ آپ بھی فرمادیں۔ میں اسپر ہنس پڑا
اور قاصد سے کہا۔ کہ اس عالم نے تو اپنے آپ کو نہایت
سستے داموں فروخت کر دیا۔ اتنی قیمت تو ایک بھیڑ بکرے
کی ہوتی ہے۔ حالانکہ خدا کا فرمان ہے۔ کہ میری آیتوں
کو سستے داموں فروخت مت کرو۔ قاصد نے سمجھا۔ کہ

میں شاید بہت دام مانگونگا۔ اُس نے سر نگوں ہو کر کہا۔
تو جناب فرمادیں۔ کیا دیا جائے؟ میں نے کہا۔ دیوان
صاحب سے کہ دینا۔ کہ وہ (غازی محمود) سپرد دیتا ہے۔ اور
بدلہ میں سر مانگتا ہے۔ اگر یہ سودا منظور ہو۔ تو آج
شام کو یا کل صبح تک مجھے بتا دینا۔ قاصد اسی وقت لاری
میں بیٹھ پاک پٹن شریف واپس گیا۔ سجادہ نشین دیوان
صاحب کو تمام گفتگو بتادی۔ دیوان صاحب صوفی منش
تھے۔ پھڑک گئے۔ قاصد کو الٹے پاؤں بھیجا۔ کہ وہ
سودا منظور ہے۔ قاصد نے مجھے پیغام سنایا۔ میں نے
کہا۔ بہت اچھا۔ آج شب کو یہاں پر میری آخری تقریر ہے
جو آپ کے ساتھ پاک پٹن شریف چلونگا۔ چنانچہ رات
کو آخری تقریر کر کے جلسہ ختم ہوا۔ صبح کو میں اور وہ
عالم صاحب دونوں قاصد کی معیت میں بذریعہ لاری پاک
پٹن شریف کے لئے چل پڑے۔ بہت جلدی پٹن شریف
بلد، پہنچ گئے۔ علماء سے تعارف ہوا۔ جلسہ گاہ میں گئے تو
میں نے دیکھا۔ کہ ایک پہلوان کی قسم کا طول طویل شخص
جلسہ کی صدارت کر رہا ہے۔ اس کی ریش مبارک تازہ
بہ تازہ سیفٹی ریزر کی نذر ہو چکی تھی۔ مگر مونچھیں
اتنی دراز تھیں۔ کہ دونوں طرف کانوں کی لو تک جاتی
تھیں۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون صاحب ہیں؟ مجھے جواب ملا۔
کہ یہی حضرت دیوان صاحب سجادہ نشین آستانہ شریف

ہیں - قاصد نے دیوان صاحب کو میری آمد کی اطلاع کر دی تھی - جب میں مصافحہ کے لئے دیوان صاحب کی طرف آگے بڑھا - تو ممدوح نے سرو قد کھڑے ہو کر مصافحہ کرنے کے ساتھ ہی مجھے اپنے بازوؤں میں لیکر اس طرح معانقہ کیا - جس طرح کوئی یار گم شدہ کو پاکر معانقہ کرتا اور خوش ہوتا ہو - میں دیوان صاحب کو دیکھکر ہنستا تھا - اور دیوان صاحب مجھے دیکھ کر ہنس رہے تھے - دراصل ہم دونوں ایک مغالطہ سے پاک ہوئے تھے - میں تو یہ سمجھتا تھا - کہ دیوان صاحب حضرت بابا فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گدی کے پیر ہیں - انکی اتنی لمبی داڑھی ہوگی - سر پر کلاہ قلندری ہاتھ میں تسبیح اور پاس ہی وضو کا کوزہ ہوگا - دو چار خادم ان پر مور چھل کر رہے ہونگے - سامنے عود اور لوبان جل رہا ہوگا - اور دیوان صاحب آنکھیں بند کئے کبھی کبھی نعرہ مستانہ لگاتے اور ہو حق کہتے ہونگے - مگر یہاں نقشہ ہی کچھ اور تھا - اور دیوان صاحب نے بھی میرے متعلق یہ نقشہ بنا رکھا ہوگا - کہ آل انڈیا شہرت کا مالک - اتنا سا خوردہ شخص اگر کچھ نہیں - تو ایک بالشت و چار انگشت داڑھی کا ریشہ ہیں - عصاء موسوی ہاتھ میں لئے اور دو بندی رومال کندھے پر ڈالے - پان سپاری کی پوٹلی سنبھالے - نصف درجن بیماریوں میں مبتلا ہاں ہاں کرتا اور کھانستا ہوا بڈھا آئیگا - مگر جب دیوان صاحب

نے مجھے اور میں نے دیوان صاحب کو دیکھا۔ تو ہم دونوں
ہنس رہے تھے۔ کہ بھلے چنگے جنٹلمین ہو کر ہم ایک دوسرے
کے متعلق سخت مغالطہ میں تھے۔ دوپہر کے وقت اس
عالم صاحب کی تقریر ہوئی۔ شب کو میرا لیکچر تھا۔ میں سوچ
رہا تھا۔ کہ کیا مضمون لوں۔ اتفاقاً ایک مولانا صاحب جن
کا اسم گرامی عبدالحق تھا۔ مجھ سے ملنے کے لئے تشریف
لائے۔ ان کے ہاتھ میں النور نامی ایک رسالہ
تھا۔ میں نے جو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ تو مجھے اس
میں ایک مضمون نظر آیا۔ جسکا عنوان تھا۔ تعریف اسلام
میری وہ تقریر تھی۔ جو میں نے کسی وقت گورکھپور
کی انجمن اسلامیہ کے پلیٹ فارم پر سے کی تھی۔ اس تقریر
کو گورکھپور کے حکیم برہم صاحب نے اپنے اخبار مشرق
میں درج کر دیا تھا۔ میں نے مولانا عبدالحق صاحب سے پوچھا
کہ میری یہ تقریر آپ کے رسالہ میں کیسے آگئی۔ مولانا صاحب
نے فرمایا۔ کہ حکیم الامت جناب قبلہ اشرف علی صاحب نے
ہمیں حکم دیا تھا۔ کہ اس تقریر کو رسالہ نور میں ضرور
درج کیا جائے۔ میں نے کہا۔ جناب حکیم الامت صاحب کی
اس ذرہ نوازی کا بے حد شکریہ۔ مجھے آج شب
کی تقریر کے لئے کسی نئے مضمون کی ضرورت نہیں
میں آج کفر میں اسلام پر ہی تقریر کروں گا۔ چنانچہ شب رات
کو میں نے شرح و بسط کے ساتھ اس مضمون پر تقریر کی

اور جناب دیوان صاحب کے مشرب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر ذرا تصوف یا ویدانت کا رنگ بھی دیدیا۔ تو جناب دیوان صاحب جھوم جھوم جاتے تھے۔ تقریر ختم ہوگئی۔ تو دیوان صاحب نے معانقہ کیا۔ یہ سب سے بڑا اشرف ہے۔ جو کسی آستانہ کے سجادہ نشین کی طرف سے کسی کو مل سکتا ہے۔

-:٭:-

دوسرے دن کے جلسہ میں عالم صاحب کی دوسری تقریر ہوئی۔ تقریر کے بعد عالم صاحب کو چالیس روپیہ دیکر رخصت کردیا گیا۔ میری تقریر حسب اعلان پھر ہوئی اور دیوان صاحب اس سے خوب لذت اندوز ہوئے تقریر کے بعد میں نے دیوان صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ صبح مجھے بھی جانے کی اجازت مل جانی چاہیئے دیوان صاحب نے فرمایا۔ اس وقت تو آپ آرام فرمائیں صبح ہوگی۔ تو دیکھا جائیگا۔ میں سوگیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت دیوان صاحب تشریف لائے۔ فرمانے لگے۔ غازی صاحب! ہماری سیری نہیں ہوئی۔ ہم آج آپ کو جانے نہیں دینگے۔ میں نے کہا۔ حضرت جی! سیری کی کیفیت تو یہ ہے۔ کہ ہم ہر روز کھانا کھاتے ہیں۔ مگر پھر بھی سیری نہیں ہوتی۔ مجبوراً دن میں دو۔ دو۔ اور تین۔ تین۔ دفعہ کھاتے ہیں۔ مگر پھر بھی سیری نہیں ہوتی

اسی لئے شارع اسلام نے فرمایا ہے۔ کہ بھوک چھوڑ کر کھاؤ۔ اور کم بولو۔ میں تو بہت بول گیا۔ دیوان صاحب نے فرمایا۔ دریا رات دن سمندر میں گرتا ہے۔ مگر سمندر پھر بھی نہیں بھرتا۔ میں نے کہا۔ حضور تو سمندر بن گئے پہاڑ کی برف پگھلے۔ تو دریا میں پانی آئے۔ خیر بضا لقہ نہیں۔ میں آج کا دن اور ٹھہر جاؤنگا۔ مگر کل صبح ضرور چلا جاؤنگا۔ کیونکہ میں سات دن کی نئی دلہن گھر میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور اس وعدہ کے ساتھ اجازت لے کر آیا ہوں۔ کہ ہفتہ عشرہ کے اندر واپس آجاؤنگا۔ اسپر دیوان صاحب خوب ہنسے۔ میں نے کہا حضرت جی! مجھے زن مرید نہ سمجھ لینا۔ مجھے صرف وعدہ کا خیال ہے۔ دیوان صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا۔ وعدہ رات کو کیا تھا یا دن کو۔ میں نے سمجھ لیا۔ کہ دیوان صاحب کا اشارہ "کلام اللیل یمحوہ النہار" کی طرف ہے۔ میں نے کہا۔ وعدہ صبح صادق کے بعد نماز اور دعا کے ساتھ کیا گیا تھا۔ دیوان صاحب خوب ہنستے رہے۔ آخر طے پایا۔ کہ دوسرے دن مجھے رخصت کر دیا جائیگا۔ چنانچہ میں ٹھہر گیا۔ اور شب کو آخری تقریر کر دی۔ دوسرے دن صبح کو چار ناشتہ سے فارغ ہوا تھا۔ کہ دیوان صاحب تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے۔ دل تو چاہتا تھا۔ کہ آپ کو دو دن اور ٹھہرایا جائے۔ مگر آپ کا عذر

شرعی ہے۔ وعدہ خلافی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ کہکر دیوان صاحب نے مجھے ایک بند لفافہ دیتے ہوئے کہا گھر میں جاکر کھولنا۔ یہ کہکر ممدوح نے معانقہ کیا۔ اور مجھے فی امان اللہ کہا۔ میں سٹیشن پر جاکر ٹرین میں سوار ہوگیا۔ اور رواں دواں لدھیانہ کے سٹیشن پر اتر سیدھا گھر پہنچا۔ دروازہ پر دستک دی۔ ماں نے دروازہ کھولا۔ میرے سلام علیکم کی آواز سنکر انوار بھاگی آئی۔ اس بات کا خیال کئے بغیر کہ ماں دیکھ رہی ہے۔ اس نے والہانہ میری بلائیں لیں۔ میں ہال کمرہ سے ہوکر سیدھا اوپر کی منزل پر اپنے سونے کے کمرہ میں چلا گیا۔ انوار بھی میرے ساتھ ہی اوپر گئی۔ شکایت کرنے لگی۔ کہ چار پانچ دن کا وعدہ کرکے گئے تھے۔ آج دس دن سے اوپر ہوگئے۔ راتیں انتظار کی ہیں اور دن بیقراری میں گذر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ پنجاب کے پانچ دریاؤں کے علاوہ چھٹا دریا یعنی سندھ بھی عبور کرکے مجھے ڈیرہ غازی خاں کے نزدیک جام پور جانا پڑا۔ چار دن تو اسی میں لگ گئے۔ تین دن ٹھکری میں لگے۔ چار دن پاک پٹن شریف میں حضرت بابا فرید قدس سرہ العزیز کے آستانہ میں وظ [illegible] میں صرف ہوگئے۔ انوار نے مجھے ایک معصوم بچے کی طرح اپنے سینے سے لگالیا۔ اور پیار کیا۔ اس اثنا میں اسکا ہاتھ میری جیب پر پڑ گیا۔ اسنے دیکھا

میری جیب میں کوئی خط ہے۔ اس نے جیب میں سے لفافہ نکال لیا۔ کہنے لگی۔ یہ کسی سہیلی کی چیٹھی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے کھولی کیوں نہیں۔ میں نے کہا۔ اس کے کھولنے کی مجھے اجازت نہیں۔ مجھے نہیں معلوم اس میں کیا ہے۔ تم کھول کر اپنا شک مٹا لو۔ انوار نے فوراً لفافہ چاک کر ڈالا۔ اس نے دیکھا۔ کہ بجائے چیٹھی کے اس میں کئی سو روپیہ کے نوٹ تھے۔ پوچھنے لگی۔ یہ نوٹ کہاں سے ملے۔ میں نے کہا۔ باوا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کے سجادہ نشین نے مجھے یہ لفافہ دیا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ گھر جاکر کھولنا۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں۔ کہ اس لفافہ میں کیا بند تھا۔ اچھا ہوا۔ تم نے لفافہ کھول لیا۔ اب یہ تمہارا ہی حصہ ہے۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ میرے پیچھے کیسی گذری۔ انوار نے کہا۔ میں کیا بتاؤں۔ کہ کیسے گذری۔ نہ کسی سے کہہ سکتی تھی۔ نہ سہہ سکتی تھی۔ مجھے اداس دیکھ کر ماں تسلی دیتی تھی۔ کہ گھبراؤ نہیں۔ وہ آج یا کل آ جائینگے۔ میں نے کہا۔ آخر میں آ گیا۔ مجھے کچھ انعام دیجئے۔ انوار نے کہا۔ جان حاضر ہے۔ میں نے کہا۔ جان تو خدا کی امانت ہے۔ اپنے پاس سے کچھ دیجئے۔ انوار نے کہا۔ تن۔ من۔ سب آپ کے ارپن ہے۔ میرے محبوب! میں آپ کی وہی کنیز اور وہی پوجارن ہوں۔ جو ایک دفعہ اپنے آپکو آپ پر قربان

کر چکی ہے - اب دوبارہ قربان ہو جاؤنگی - میں نے کہا - نور نظر! میں تم سے اتنا ہی دان مانگتا ہوں - کہ تم اپنی محبت اور اپنے پریم میں اعتدال پیدا کرو - میں تمہارا ہوں - تم میری ہو - ہمارا پریم چوری کی چیز نہیں - ہم میاں بیوی ہیں - ہمیں بے قرار ہونے کی ضرورت نہیں - انوار نے کہا - یہ سب درست ہے - مگر دل نہیں مانتا - میں نے کہا - دل بھی مان جائیگا - ذرا ایک دو چیاؤں میاؤں آ جانے دیجئے - پھر دیکھنا دل کیا کہتا ہے - یہی کہو گی :-

جے - میں - جاندی - پریت - کیئے - دکھ ہو
نگر - ڈھنڈورا - پھیر دی - پریت - نہ کیجو - کو

اس پر انوار کھل کھلا کر ہنس پڑی - میں نے کہا - بس یوں ہنستی رہو - تا کہ مجھے باہر جا کر تمہارا فکر نہ رہا کرے میں صرف ایک دن کے لئے آیا ہوں - کل دسوہہ - خانپور - تکیریاں کے سفر پر چلا جاؤنگا - اب میں ذرا تمہاری پرانی پیاری کی بھی خبر لے آؤں - یہ کہکر میں گیان کی طرف گیا وہ مجھے دیکھکر بہت خوش ہوئی - کہنے لگی - بہت دن باہر لگا دئے - میں نے کہا - تمہارے حکم کی تعمیل ضروری تھی - تم نے ہی کہا تھا - کہ میں گھر میں زیادہ نہ رہوں - بلکہ باہر کام پر جاؤں - آج بھی میں ایک دن کے لئے آیا ہوں کل پھر سفر پر چلا جاؤنگا - کہئے - تمہاری حالت تو اچھی رہی

گیان نے کہا - میری حالت کا کیا کہنا ہے - نہ ساون سوکھے - نہ بھادوں ہرے - اِک سنگ جوڑ - سکل جگ توڑی - میں نے دیکھا - گیان بہت اونچے مقام سے بول رہی ہے - میں نے کہا ہونا بھی یہی چاہیئے - کرشن جی نے گیتا میں یہی کہا ہے - کہ سب طرف سے منہ موڑ دو - مجھ سے جوڑ دو - کچھ دیر گیان دھیان کی باتیں کرکے میں اپنے کمرے میں واپس آکر ذرا آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا - کچھ وقفہ کے بعد انوار نے کہا - کہ کھانا تیار ہے - کھا لیجئے - پھر آرام کرنا - میں ساتھ ہو لیا - انوار میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوئی - ماں نے شکایت کی - کہ اِس نے کھانا پینا بھی چھوڑ رکھا تھا - بہت سمجھاتی تھی - مگر یہ ہر وقت گم سم رہتی تھی - آج ذرا منہ پر رونق آئی ہے - میں نے کہا - امی جان - یہ جنت کی چڑیا ہے - اس کا ہم دنیا داروں میں جی نہیں لگتا - اِس پر انوار ہنس پڑی - کہنے لگی - جی ہاں - تب ہی آپ ہمیں چھوڑ کر بھاگ گئے - کل پھر بھاگنے کی تیاری ہے - میں نے کہا میرا اپنا ذاتی کام ہوتا - تو نہ جاتا - مگر یہ تو خدا اور اس کے رسول پاک کا کام ہے - انکار کیسے ہو سکتا ہے - کھانے سے فارغ ہو کر میں ذرا آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا - تھکا ماندہ تھا - سو گیا - مغرب کی نماز کے وقت انوار نے مجھے جگایا - ہم دونوں نے مل کر مغرب کی نماز ادا کی - کھانا کھایا - اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا - صبح موذن کی اذان نے بیدار کر دیا - ہم دونوں نے ضروریات سے فارغ ہو - نہا دھو - وضو

کر کے نماز پڑھی - دعا مانگی - انوار کو امور خانہ داری کے متعلق کچھ ہدایات دیں - اتنے میں ماں بھی آگئی - جلدی جلدی چائے ناشتہ کر کے سٹیشن پر پہنچ گیا - جالندھر جانیوالی ٹرین پکڑی - پہلے پھگواڑہ گیا - وہاں دو تقریریں کر کے کھانپور پہنچا - میں نے دیکھا - کھانپور وہابیوں کی آہنی بارہ(؟) کا مرکز ہے - احرار کا بھی زور ہے - دن کے وقت ہی ایک تقریر کر کے سٹیشن پر آگیا ٹرین میں سوار ہو دسوھہ پہنچا -

-:۱۴:-

دسوھہ میں پہلے بھی ایک دفعہ ہو آیا تھا - مگر اس دفعہ کیفیت یہ تھی - کہ جلسہ پر حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کے مریدان مخلص کا قبضہ تھا - انہوں نے اپنی جماعت یا ہم عقیدہ علماء کے سواء کسی ایک کو بھی جلسہ میں شرکت کی دعوت نہیں دی تھی - میرا کیس مستثنےٰ تھا - مجھے جناب پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نے خاص طور پر بلایا تھا - جلسہ میں کفر و تکفیر پر تقریریں ہوئیں - پیر صاحب نے مجلس احرار کے کارکنوں کی خوب خبر لی - احرار کے کئی ایک لیڈروں کو پیر صاحب نے کافر و مرتد قرار دیتے ہوئے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا - میں نے یہ سب کچھ سنا - رات کو میری تقریر تھی - پیر صاحب نے کرسئی صدارت سنبھالی - مجھے تقریر کے لیئے کہا گیا - میں سخت حیران و پریشان تھا - کہ پیر صاحب کی تقریر از سرتا پا میرے مشن کے متضاد تھی - اب یہ پیر صاحب

کر سی صدارت پر جلوہ افروز تھیں۔ مجھے یہ شمشیر برہنہ تقریر کرنے کی کب اجازت دینگے۔ بہتر یہ ہے کہ میں تقریر نہ کروں۔ یا مداہنت سے کام لوں۔ مگر یک دم صدا آئی کہ نہ تقریر سے انکار کرو۔ نہ مداہنت سے کام لو۔ بلکہ شمشیر برہنہ تقریر کرو۔ وہ جس کا دین ہے۔ اس کی مدد تمہارے شریک حال ہے۔ اس کا ہاتھ تمہارے سر پر ہے۔ یہ صدا سنتے ہی میں تقریر کے لئے کھڑا ہو گیا۔ مبادیات کے بعد میں نے قرآن مجید اور حدیث پاک اور اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ جات سے تکفیر مسلم یا مکفرین کے دھجیئں اڑا دئے۔ اور اس ضمن میں میں نے انڈیا کی مسلم سیاست اور اسلامی ممالک کی غلامی پر بھی تاریخی نقطہ نظر سے جو کچھ کہنا تھا۔ وہ سب کچھ کہ ڈالا۔ میں یہاں تک کہ گیا۔ کہ اگر کسی قلعہ میں اسلامی فوج محصور ہو جائے۔ تو محصورین کا جنگی پہلو سے فرض ہے۔ کہ انکی رائفل کی ہر ایک گولی محاصرین کے سینے میں لگے۔ اور ان کے سروں کو توڑ دے۔ لیکن اگر ایسا کرنے کی بجاء محصورین میں سے کوئی فوجی محاصرین کی بجاء اپنے محصور فوجی کے سینے میں سنگین گھونپ دے یا گولی داغ دے۔ تو ملٹری قانون کے مطابق وہ غدار قرار دیا جائیگا۔ اس کا کورٹ مارشل ہوگا۔ اور ایک باولے کتے کی طرح گولی سے اڑا دیا جائیگا۔ میں یہ تقریر

کر کے بیٹھنے لگا ۔ تو پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نے کرسیٔ صدارت سے اٹھ کر مجھے سینہ سے لگا لیا ۔ مجھے اس طرح لگتا ہی تھی ۔ گویا میں کوئی بڑا اکھاڑہ جیت کر آیا تھا ۔ فرمایا واہ ۔ واہ ! شیر اسلام ۔ اس میدان میں تم ہمارے کمانڈر ان چیف ہو ۔ میں نے خدا کا شکر کیا ۔ کہ میرا ایمان بچ گیا ۔ اور میرا مشن کامیاب ہوا ۔ رات کا جلسہ ختم ہو گیا دوسرے دن صبح کو میں پیر صاحب سے ملنے کے لئے گیا ۔ وہ ایک الگ کوٹھی میں فروکش تھے ۔ میں بلا اجازت اندر چلا گیا ۔ پیر صاحب نے کہا ۔ آئیے غازی صاحب ! آپ کا ہی ذکر خیر ہو رہا تھا ۔ مریدان مخلص نے پیر صاحب کے سامنے انگوروں کا ڈھیر لگا رکھا تھا ۔ پیر صاحب نے سب کو جلسہ میں جانے کا حکم دیا ۔ مگر مجھے روک لیا ۔ جب چند منٹ گفتگو کرنے کے بعد میں چلنے لگا ۔ تو پیر صاحب نے اپنے دست مبارک سے انگوروں کے کئی خوشے میری نذر کئے ۔ میں نے برآمدے میں آ کر یہ انگور ایک میز پر رکھ کر مریدان مخلص کو بلایا ۔ کہ آؤ پیر صاحب کا نذرانہ لو ۔ چنانچہ ہم سب نے خوب مزے سے انگور کھائے ۔ جب میں دسوہہ کے جلسہ سے فارغ ہو کر لدھیانہ گھر آیا ۔ تو الوار نے حسب عادت محبت سے میری بلائیں لیں ۔ جب میں نے پیر صاحب کے میٹھے میٹھے انگور کھانے کا قصہ سنایا ۔ تو اس نے کہا ۔ آپ کے ہونٹ تو پہلے ہی کوزہ مصری تھے ۔ مگر اب پیر صاحب کے انگور کھا کر تو اور بھی میٹھے ہو گئے ہوں گے ۔ یہ کہتے کہتے ساتھ ہی اس نے میرے ہونٹوں سے خراج لے لیا ۔

باب دوازدہم
گیارہویں فصل

خواب

(۱)

مغرب کی نماز اور کھانے سے فارغ ہوکر الوار بہت دیر تک مجھ سے سفر کے حالات سنتی رہی۔ آخرکار وہ اپنے پلنگ پر میٹھی نیند سوگئی۔ میں جاگ رہا تھا۔ اور اُس کے معصوم اور خوبصورت چہرہ کی سٹڈی کر رہا تھا۔ میرے جملہ شکوک جو عالم ارواح سے عالم اجسام میں آنے کے متعلق تھے۔ رفع ہو چکے تھے۔ میں اس بات پر غور کر رہا تھا۔ کہ قادر مطلق اور لایموت خدا نے اپنے کلام پاک میں ملائکہ کے متمثل ہونے کا جو ذکر کیا ہے۔ وہ کتنی بڑی صداقت ہے۔ یہ کائنات ملائکہ جیسی غیر مرئی مخلوق سے معمور ہے۔ قادر مطلق خدا جہاں اور جس کے لئے چاہتا ہے۔ ملائکہ کو متمثل کر دیتا ہے۔ میں عرصہ تک اس شک میں مبتلا رہا۔ کہ حضرت مریم صدیقہ کے سامنے فرشتہ کیونکر متمثل ہوا تھا۔ کیا یہ خواب نہیں تھا؟ مگر مجھے بتا دیا گیا۔ کہ

وہ خواب تھا۔ جو صدیقہ نے دیکھا۔ نہ یہ خواب ہے۔ جو تم
دیکھ رہے ہو۔ وہ صدیقہ کے سوال کا جواب تھا۔ اور
یہ تمہارے سوالوں کا جواب ہے۔ فرشتہ نہ مرد ہے نہ
عورت ہے۔ وہ نہ مذکر ہے۔ نہ مونث ہے۔ وہ روح
ہے۔ جو عالم ارواح میں تذکیر و تانیث سے مبرا ہے
مگر جب وہ عالم ارواح سے عالم اجسام میں متمثل کیا
جاتا ہے۔ تو وہ تذکیر و تانیث کے قانون کے تابع ہو
جاتا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ کہ انوار کی صورت میں بھی یہی
اصول کام کر رہا ہے۔ میں اس کی حرکات کا نہایت غور
سے مطالعہ کرتا تھا۔ اور اسکو عالم ارواح سے عالم اجسام
میں متمثل کردہ روح مانتا تھا۔ میں یہ بھی محسوس کرتا
تھا۔ کہ اس نے میری زندگی کو نئے سانچے میں ڈھالنا
شروع کر رکھا ہے۔ جو عالم اجسام سے بالاتر عالم ارواح
کا سانچہ ہے۔

-:۲:-

اسی پریم یا محبت کی دنیا میں رات کے بعد دن اور دن کے
بعد رات۔ گزرتے جا رہے تھے۔ کہ میرے پاس میاں
چنوں سے ایک خط آیا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ ایک
بہت بڑے سجادہ نشین آپ کے دیدار اور تقریر کے شائق
ہیں۔ اگر آپ فلاں تاریخ کو میاں چنوں تشریف لے آئیں
تو آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔ میں نے انوار سے کہا۔ پہلے
پاک پٹن شریف کے سجادہ نشین کے بعد اب ملتان کے

ایک سجادہ نشین نے اظہار شوق دیدار کیا ہے۔ انوار
نے کہا۔ کیا حرج ہے۔ آپ تشریف لے جائیں۔ میں نے
کہا۔ پیچھے اداس تو نہیں ہو جاؤ گی؟ انوار نے کہا۔ آپ
میرا فکر نہ کریں۔ خدا اور رسول کے پیام کی اشاعت کرنے
جائیں۔ انوار کے اس جواب کو سن کر میں نے اسکو محبت
بھری نگاہ سے دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔ میں نے میاں چنوں
لکھ بھیجا۔ کہ میں آ رہا ہوں۔ چنانچہ میں تاریخ مقررہ پر
میاں چنوں پہنچ گیا۔ جلسہ کا خوب اہتمام تھا۔ میری تقریر
کی صدارت جس طرح دسوہہ میں پیر سید جماعت علی
شاہ صاحب نے فرمائی تھی۔ اسی طرح میاں چنوں میں میری
تقریر کی صدارت سجادہ نشین صاحب نے کی۔ میں نے
نہیں پوچھا۔ کہ صدر صاحب کی تعریف کیا ہے۔ وہ ایک
چھوٹے قد اور گندمی رنگ کے بزرگ تھے۔ ریش مبارک
میں سیاہ و سفید بالوں میں مسابقت ہو رہی تھی۔ سفید
عمامہ سر مبارک کو زینت دے رہا تھا۔ مریدانِ مخلص
نے آپ کو بہت سے پھولوں کے ہار پہنا رکھے تھے۔ میں بلا
تکلف پلیٹ فارم پر چلا گیا۔ تلاوت قرآن پاک اور نعت
خوانی کے بعد میری تقریر "مذاہب عالم میں اسلام کی پوزیشن"
پر شروع ہو گئی۔ دوران تقریر میں ایک اہم اصول کی
وضاحت کرتے ہوئے میں نے صدر صاحب سے استصواب
کرنا چاہا۔ میں نے دیکھا۔ کہ صدر صاحب آنسو بہا رہے

ہیں۔ جو موتیوں کی طرح رخساروں پر سے گذرتے ہوئے
انکی ریش مبارک کو تر کر رہے ہیں۔ میں نے خیال کیا۔ کہ
پیر صاحب قوال سے متاثر ہو کر حال کی حالت میں ہیں۔
میں نے ان سے استصواب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اپنی
تقریر کو جاری رکھا۔ چند منٹ کے بعد میری نظر پھر
پیر صاحب پر پڑی۔ وہ اسی طرح آنسو بہا رہے تھے۔ میں
نے تقریر ختم کردی۔ پیر صاحب کرسی پر سے اٹھے۔ ان
کے گلے میں جتنے پھولوں کے ہار تھے۔ وہ انہوں نے اتار
کر میرے گلے میں ڈال دئے۔ مجھے اپنی بغل میں لیکر
معانقہ کیا۔ اور کہا۔ غازی میاں! اِن پھولوں کے
حقدار آپ ہیں۔ ہم نہیں۔ پیر صاحب نے رقت آمیز
الفاظ میں کہا۔ آپ باور کیجئے۔ جب آپ تقریر کر رہے
تھے۔ تو خدا پاک کی قسم ہے۔ میں نے دیکھا۔ کہ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک آپ کے سر پر
ہے۔ میں اس نظارہ کو دیکھ کر آنسو بہا رہا تھا۔ کہ
باہر کیا ہے۔ اور اندر کیا ہے؟ پیر صاحب کے اِن الفاظ کو
سنکر میں بے اختیار ہنس دیا۔ اور کہا۔ یا حضرت
آپ نے جو میرے سر پر ہاتھ دیکھا۔ وہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ نہیں تھا۔ وہ جناب کا ہی دست
شفقت تھا۔ جو میرے سر پر سایہ فگن تھا۔ پیر صاحب
مسکرا دئے۔ اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے پلیٹ فارم

سے اتر کر اس بنگلہ پر لے گئے۔ جہاں آپ اپنے مریدان مخلص کے ساتھ فروکش تھے۔ فرمایا۔ کھانا لاؤ۔ چنانچہ فوراً کھانا آگیا۔ مجھ سے درخواست کی کہ تناول کیجئے میں نے عرض کیا۔ میں کھانا کھا چکا ہوں۔ میری ٹرین کا ٹائم نزدیک ہے۔ ابھی چلا جاؤنگا۔ پیر صاحب نے فرمایا۔ خواہ ایک ہی لقمہ لیں۔ مگر کھائے ضرور۔ چنانچہ میں نے الامر فوق الادب کہکر سالن سے جو مٹر اور قیمہ کا سالن تھا ایک لقمہ لے لیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ پیر صاحب نے اسی جگہ سے کھانا شروع کیا۔ جہاں سے میں نے لقمہ لیا تھا۔ پیر صاحب نے مجھ سے معانقہ کیا۔ اور میرے لئے برکت چاہی۔ میں ان سے رخصت ہو کر سٹیشن پر آگیا۔ ٹرین میں سوار ہو لدھیانہ پہنچا۔ گھر میں گیا۔ انوار نے میری بلائیں لیں۔ اور اسی طرح معانقہ کیا۔ جس طرح پیر صاحب نے کیا تھا میں نے کہا۔ نور نظر! میرے لئے یہ بڑی مصیبت ہے۔ کہ باہر جاتا ہوں۔ تو پیر صاحبان معانقہ کرتے ہیں۔ گھر میں آتا ہوں۔ تو آپ میرے لئے پیر بن جاتی ہیں۔ پیر جی تو صرف معانقہ کر کے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر آپ جب تک میری پیشانی۔ آنکھوں۔ رخساروں اور میرے ہونٹوں تک کا خراج نہ لے لیں۔ آپ کی تسلی نہیں ہوتی۔ بہتر ہے۔ کہ آپ مجھے یا تو اپنا پیر بنا لیں۔ یا مرید کر لیں۔ انوار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ میرے محبوب ہیں۔ اور

محبوب کا درجہ پیری مریدی سے بہت اونچا ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ عزیز از جان! تم میرے لئے نور ہدایت ہو۔ میں تم سے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔

-:۳:-

انوار نے چاء تیار کی۔ ہم دونوں نے مل کر چاء پی۔ میں نے انوار کو پیر صاحب کا حال بتایا۔ اس نے بڑی توجہ سے سُنا۔ جب میں نے پیر صاحب کے کھانے کا قصہ سنایا۔ تو وہ مسکرا دی۔ کہنے لگی۔ پیر صاحب تو بزرگ تھے۔ مگر یہاں اپنی یہ کیفیت ہے۔ کہ آپ کے بغیر نہ کھانا اچھا لگتا ہے۔ نہ چاء۔ میں ہنس پڑا۔ اور کہا۔ تو پھر میں ہی گنہگار ہوں۔ اچھا۔ کل پھر باہر جا رہا ہوں۔ آج عشاء ربانی کر لیجئے۔ انوار نے پوچھا۔ یہ عشاء ربانی کیا ہوتی ہے میں نے کہا۔ یہ عیسائیوں کے مل بیٹھ کر کھانے کی رسم ہے۔ وہ انگور کے رس کو مسیح کا خون۔ اور روٹی کو مسیح کا گوشت تصور کر کے کھاتے ہیں۔ مسیح کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں تھا۔ صرف مل بیٹھ کر کھانا پینا تھا۔ تاکہ باہمی محبت میں اضافہ ہو۔ انوار نے کہا۔ یہ درست ہے۔ میں نے کہا۔ کل مجھے کرتار پور جانا ہے۔ صبح جا کر شام کو واپس آ جاؤں گا۔ انوار نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کی نماز اور دعا سے فارغ ہو۔ چاء ناشتہ کر کے میں سٹیشن پر گیا۔

ٹرین پکڑی۔ ایک گھنٹہ کے اندر میں کرتار پور پہنچ گیا تھا۔
جاتے کے ساتھ ہی تقریر کی۔ گرمی شدت کی پڑ رہی تھی
تقریر ختم کر کے سٹیشن پر آ گیا۔ ٹرین کے آنے میں ابھی
کچھ دیر تھی۔ میں پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا۔ میں نے دیکھا
دو شخص ہانپتے ہوئے آئے۔ ان کے پاس چھوٹے چھوٹے
سے بنڈل تھے۔ وہ میری طرف بڑھے۔ میرے پاس آ کر اپنے
بنڈل زمین پر رکھ دئے۔ سلام علیکم کہہ کر ایک نے میری
طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مصافحہ کرنے کے ساتھ
ہی میرے ہاتھ میں ایک روپیہ دیدیا۔ یہی عمل اس کے
ساتھی نے بھی کیا۔ میں نے کہا۔ آپ دونوں حضرت پیر
سید جماعت علی شاہ صاحب کے مرید ہیں۔ دونوں نے
کہا۔ ہاں حضور ہم ان کے ہی مرید ہیں۔ حضور نے کیسے
جان لیا؟ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کے
متعلق خدا نے ایک علم دے رکھا ہے۔ وہ دونوں حیران
ہو گئے۔ میں نے کہا۔ دیکھو۔ حیران ہونے کی ضرورت
نہیں۔ تم لوگوں کو پتہ ہے۔ کہ حضرت پیر سید جماعت علی
شاہ صاحب جب مجھ سے ملتے ہیں۔ یا میں ان سے ملتا ہوں
تو وہ مجھے کچھ نہ کچھ نذرانہ ضرور دیتے ہیں۔ تم نے خیال
کیا۔ کہ جس شخص کو تمہارا پیر نذرانہ دیتا ہو۔ اسکو ضرور
نذرانہ دینا چاہئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ تم نے مصافحہ کرتے
کے ساتھ ہی مجھے ایک ایک روپیہ نذرانہ دیا۔ ورنہ میں

تمام انڈیا میں پیر جہانیاں جہاں گشت بنا گھومتا پھرتا ہوں - سینکڑوں - ہزاروں مصافحہ کرتے ہیں - مگر کبھی کسی نے مصافحے کے ساتھ روپیہ نہیں دیا - اس پر وہ دونو حضرات خوب ہنسے - اتنے میں ٹرین آگئی - میں اپنے ڈبہ میں اور وہ اپنے درجہ میں بیٹھ گئے - گھر آکر میں نے انوار کو یہ قصہ سنایا - تو وہ بھی خوب ہنسی - میں نے کہا - ان دو روپیوں کو خرچ نہ کرنا - کسی صندوق میں رکھ چھوڑنا - یہ پیر صاحب کے مریدان مخلص کی طرف سے نذر ہے - بڑی برکت کی چیز ہے -

-:۰:-

انوار نے مغرب کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر پوچھا اب تو جلدی کہیں باہر نہیں جانا - میں نے کہا - نہیں اب چند روز گھر پر ہی وظیفہ خوانی کرونگا - اس پر انوار نے خوشی کا اظہار کیا - شب کو سونے سے قبل میں نے قرآن پاک کی اس آیت کی بار بار تلاوت کی - جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا لا یموت موت سے زندگی اور زندگی سے موت نکالتا ہے - میں نے انوار کو بھی اس وظیفہ میں شامل کر لیا - وظیفہ سے فارغ ہو کر میں اپنے پلنگ پر درود شریف پڑھتا ہوا سو گیا - رات کو خواب دیکھتا ہوں - کہ میری بڑی بہن زار زار رو رہی ہے - اور اس کے سامنے میرے بہنوئی منشی عزیز الدین کی میت پڑی ہے - میت کے ایک طرف انکی پوتی فاطمہ خانم بیٹھی ہے

اور خاموشی سے آنسو بہا رہی ہے۔ میں اس نظارہ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے انوار کو جو میرے پہلو میں سو رہی تھی۔ جگا دیا۔ اور اس کو یہ خواب سنایا اس نے کہا۔ یہ اس وظیفہ کا اثر ہے۔ ہم پھر سو گئے۔ صبح موذن کی آذان نے ہمکو جگا دیا۔ نہا۔ دھو۔ وضو کر کے ہم نے نماز ادا کی۔ دعا مانگی۔ میں نے انوار کو چند ہدایات بچہ اور زچہ کے بارے میں سمجھائیں۔ کیونکہ انوار کا خیال تھا۔ کہ وہ ماں بننے کے راستے پر گامزن ہے۔ انوار چائے ناشتہ تیار کرنے کے لئے باورچی خانہ میں چلی گئی میں دفتر میں جا کر کام میں مصروف ہو گیا۔ مشکل سے ایک گھنٹہ گذرا ہوگا۔ کہ کسی نے باہر دروازہ پر دستک دی۔ میں نے دستک دینے والے کو آواز دی۔ کہ آگے چلے آؤ۔ چنانچہ میرے کہنے پر ایک دبلا پتلا سا بوڑھا اندر آ گیا۔ میں نے اس کو پہچان لیا۔ اس شخص کا نام عبداللہ تھا۔ اور یہ میرے بہنوئی منشی عزیز الدین صاحب کا ملازم تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کہو۔ میاں عبداللہ کیسے تشریف لائے؟ ۔ میاں عبداللہ نے سرد آہ بھر کر کہا۔ رات دو بجے کے قریب منشی جی کا انتقال ہو گیا۔ جنازہ آٹھ بجے کے قریب اٹھیگا۔ میں اطلاع دینے آیا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ مجھ پر بجلی گری ہے۔ عبداللہ چلا گیا۔ مگر میں ماتھا پکڑے میز پر سرنگوں تھا۔ اور میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ

آنسو گر رہے تھے۔ انوار مجھے چائے کا بلاوا دینے آئی۔ اس
نے مجھے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر پوچھا۔ کیوں۔ یہ
کیا معاملہ ہے۔ میں نے آنسو پونچھے اور انا للہ پڑھتے
ہوئے کہا۔ انوار! میری بہن اور تمہاری نند بیوہ ہو گئی۔
رات جو خواب دیکھا تھا۔ وہ لفظ بہ لفظ صحیح نکلا۔ رات
دو بجے کے قریب میرے بہنوئی اور تمہارے نندوئی منشی
عزیز الدین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر کو سنتے ہی انوار
نے سرد آہ بھری۔ اور زار زار رونے لگی۔ میں نے کہا
یہ رونے کا وقت نہیں۔ بلکہ کام کرنے کا وقت ہے۔ تم
یہاں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔ تاکہ میت کو ٹھکانے لگایا
جائے۔ منشی جی کے دونوں بیٹے جو انکی پہلی بیوی کے بطن
سے تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں لدھیانہ سے باہر تھے۔ ان
کے آنے میں خدا معلوم کتنی دیر لگتی۔ میں فوراً موقع پر
پہنچا۔ اور دیکھا کہ میری ہمشیرہ اسی طرح میت کے
پاس بیٹھی رو رہی ہے۔ اس کے پاس منشی جی کی پوتی
فاطمہ خانم بھی اسی طرح آنسو بہا رہی ہے۔ جس طرح میں
نے انکو خواب میں روتے دیکھا تھا۔ میں نے انکو صبر کی
تلقین کی۔ محلہ اور برادری کی مستورات آنے لگ گئیں
باہر چبوترے پر مردوں کے لئے حسب دستور چٹائیاں
بچھا دی گئیں۔ ایک نوجوان کو بائیسکل پر دوڑا دیا گیا
کہ وہ شہزادوں کے قبرستان میں اس جگہ کے نزدیک

جہاں منشی جی کے والد مرحوم منشی نظام الدین صاحب کی قبر ہے۔ قبر تیار کرنے کے لئے گورکن کو ہدایت دے آئے۔ دوسرے شخص کو کفن کا کپڑا لانے کے لئے بازار روانہ کر دیا گیا۔ تیسرا شخص غسال کو اطلاع دینے چلا گیا۔ اِس طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں تمام مراحل طے ہو گئے۔ اور ہم میت کو کندھا دیتے قبرستان میں پہنچ گئے۔ جہاں نمازِ جنازہ پڑھ کر ہم نے میت کو لحد میں اتارا۔ اور لحد کا منہ بند کر کے مِنھا خلقناکم و فیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃً اخریٰ پڑھ کر قبر کا منہ بند کر دیا۔ درود فاتحہ پڑھ کر دعاء مغفرت کر کے ہم گھر کو واپس لوٹے۔ گھر پر آ کر ایک دفعہ پھر دعاء مغفرت مانگ کر سب احباب رخصت ہوئے میں نے ہمشیرہ کو تسلی دی۔ اور یہ کہکر کہ میں کھانا بھجواتا ہوں گھر پر آیا۔ میں نے انوار کو بے حد پژمردہ اور اداس دیکھ کر کہا۔ کھانا جلدی تیار ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ انوار اِس کام میں لگ گئی۔ ماں بھی آ گئی۔ کھانا تیار کر کے ہمشیرہ کی طرف بھیجا گیا۔ برادری کے "قاعدہ کے مطابق" فاتحہ خوانی کے لئے صف بچھا دی گئی۔ تعزیت کرنیوالے آتے تھے۔ اور فاتحہ پڑھ کر مرحوم کی خوبیاں بیان کرتے" اور اظہار افسوس کر کے حقہ کے چند کش لگا کر چلے جاتے تھے اندر مستورات کا جم گھٹا تھا۔ اور سب مل جل کر ہمشیرہ کو تسلی دیتیں اور صبر کی تلقین کر کے چلی جاتی تھیں۔

تیسرے دن قل کی رسم تھی۔ اس رسم میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور حسب حیثیت کچھ خیرات بھی دی جاتی ہے۔ یہ رسم بھی ادا ہو چکی۔ تو میں نے ایک دن انوار سے مشورہ کیا۔ کہ ہمشیرہ کے متعلق ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ جب تک منشی جی بقید حیات تھے۔ مجھے ہمشیرہ کا کچھ فکر نہیں تھا۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد مجھے ہمشیرہ کا بہت فکر ہے۔ اس لئے کہ ان کی اپنی اولاد تو ہے نہیں۔ جو اس آڑے وقت کام آئے۔ سوتیلے بیٹے کام آئینگے یا نہیں۔ یہ مشتبہ امر ہے۔ انوار نے فوراً جواب دیا۔ کہ ہم بی بی کو اپنے ہاں لے آئیں تو کیا بُرا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر بی بی آنا پسند کریگی یا نہیں؟ انوار نے کہا۔ یہ ان سے پوچھ لینا چاہئے۔ چنانچہ مناسب موقع دیکھ کر میں نے ہمشیرہ کے سامنے یہی سوال رکھا۔ ہمشیرہ چونکہ ایک دیندار باپ کی بیٹی تھی۔ اس نے تڑت جواب دیا۔ کہ جب تک مدت عدت نہ گذر جائے۔ مجھے اسی مکان میں رہنا چاہئے۔ ہمشیرہ کے جواب نے مجھے لاجواب کر دیا۔ ہم نے مناسب سمجھا۔ کہ ان حالات میں اسی جگہ ہم ہمشیرہ کی مناسب مدد کرتے رہیں۔ یہ ڈیوٹی گیان دیوی محمود النسا کے سپرد کر دی گئی کیونکہ وہ جب سے آئی تھی۔ ہمشیرہ سے میل ملاپ رکھتی تھی

گیان دوسرے تیسرے دن ہمشیرہ سے مل آتی تھی۔ اور
مجھے خبر لا دیتی تھی۔ کبھی کبھی میں بھی ہمشیرہ سے مل آتا تھا
مدت عدت ختم ہو جانے کے بعد میں نے ہمشیرہ سے کہا۔
اس کرایہ کے مکان میں رہنا ٹھیک نہیں۔ جب تک منشی
جی زندہ تھے۔ وہ معقول پنشن پاتے تھے۔ اب وہ پنشن
بھی نہیں۔ ان کے صاحبزادوں کو اپنا آپ سنبھالنا بھی
مشکل ہے۔ بہتر ہے میرے مکان پر چل رہو۔ مجھے بھی
آپ کی طرف سے بے فکری ہو جائیگی۔ اسپر ہمشیرہ نے
یہ عذر کیا۔ کہ آجکل کی بھرجائیاں کب پسند کرتی ہیں
کہ ان کی نندیں ان پر بوجھ ہوں۔ میں نے کہا۔ اس میں
نندوں کا کوئی سوال نہیں۔ آپ میرے لئے بمنزلہ
والدہ کے ہیں۔ آپ کا دم میرے لئے غنیمت ہے۔ اور آپ
کی خدمت کرنا میرے لئے باعث ثواب و سعادت ہے۔
میری بیوی گیان دیوی محمود النسا سے آپ بخوبی واقف ہیں
وہ آپ سے بہت میل جول رکھتی ہے۔ ہمشیرہ نے کہا۔ وہ
بہت اچھی ہے۔ میں اس کی جتنی تعریف کروں۔ تھوڑی ہے
میں نے کہا۔ دوسری بیوی کا سوبھاؤ گیان سے بھی اچھا
ہے۔ میری بیویاں دیندار ہیں۔ وہ دوسری عورتوں
کی طرح تنگ دل نہیں ہیں۔ آپ کو بہت آرام سے رکھینگی
ہمشیرہ نے کہا۔ اچھا میرے بیا۔ میں اسپر غور کرونگی۔
ہمشیرہ کا تکیہ کلام میرا اور میری تھا۔ میں یہ گفتگو کر کے

چلا آیا - اور انوار کو رپورٹ دی - چند روز کے بعد مجھے پتہ لگا - کہ ہمشیرہ نے اپنی مرضی سے یا اپنے بیٹوں کے مشورہ سے ہندو وکیل تلسی رام کا کرایہ کا مکان چھوڑ دیا - اور داروغہ عبدالغفور کے مکان پر اسباب لے گئی ہیں - یہ داروغہ صاحب منشی عزیز الدین مرحوم کے سگے چچازاد بھائی تھے - میں نے سمجھا - چلو - اچھا ہوا - میرا فکر کسی قدر کم ہو گیا - میں بدستور اپنے مشن میں مصروف رہا -

-:ھ:-

ان ہی دنوں میں میرے پاس روپڑ ضلع امبالہ سے رپورٹ آئی - کہ آریہ سماجیوں نے اپنے جلسے میں مسلمانوں کو چیلنج دیدیا ہے - اور کہ میرا روپڑ پہنچنا ضروری ہے - اس قسم کا چیلنج کا بل قندھار سے بھی آتا تھا - تو میں فوراً موقع پر پہنچ جاتا تھا - چنانچہ میں روپڑ کے لئے چل پڑا - سرھند ریلوے سٹیشن پر اتر کر میں مالوہ ریل پر سوار ہوا - روپڑ جا کر پتہ لگا - کہ مجھ سے پہلے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسر سے تشریف لا چکے ہیں - روپڑ کے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھ گیا - دوسرے دن آریہ سماج نے ازالہ شکوک یا شنکا سمادھان کا وقت دیا - مسلمانوں کی طرف سے مولٰنا صاحب نے وید کے منتر پر اعتراض کیا - آریہ پنڈت نے حجت پیش کی - کہ پہلے وید کا منتر پڑھو - پھر اس کا پد چھید کرو - اور پھر ترجمہ کرو اور پھر اعتراض کرو - مولٰنا صاحب ہنس پڑے - میں بھی

خوب ہنسا۔ مولنا صاحب نے جواباً کہا۔ کہ میں یہ پار وَد
نہیں جانتا۔ یہ تمہارے آریہ سماج کے سکرٹری باوا چھجو
سنگھ کا ترجمہ ہے۔ اگر یہ غلط ہے۔ تو باوا صاحب کو کہیں
سے ڈھونڈھ کر لائے۔ آریہ پنڈت نے کہا۔ کہ ہم کسی باوا
بابا کے ترجمہ کو نہیں مانتے۔ آپ منتر پڑھ کر پھر ترجمہ کریں
اور پھر ترجمہ کر کے اعتراض کریں۔ مولنا صاحب نے مجھ سے
کہا۔ کہ بڑا اڑیل ٹٹو ہے۔ میں نے کہا۔ اڑیل بھی مانو ریل کا
خچر ہے۔ اور بڑا اکھڑا ہے۔ مولنا صاحب نے دوبارہ وہی دلیل
پیش کی۔ مگر آریہ پنڈت جانتا تھا۔ کہ مولوی صاحب وید کا منتر
نہیں پڑھ سکینگے۔ وہ اپنی ضد پر اڑ گیا۔ میں نے کہا۔ ذرا
ٹھہرئے۔ اس کی ضد میں توڑتا ہوں۔ میں نے وید کا منتر
پڑھ دیا۔ اور ترجمہ بھی کر دیا۔ اسپر آریہ پنڈت اور جلسہ
میں آریہ سماجیوں نے تالی پیٹ دی اور کہا۔ کہ اگر یہی بات
ہے۔ تو پھر مولوی صاحب کو کیوں کھڑا کیا گیا تھا۔ آپ ہی
مقابلہ پر آ جاتے۔ میں خاموش رہا۔ شنکا سمادھان
تو ہوا۔ مگر بے لطف رہا۔ دوسرے دن آریوں نے پھر
چیلنج دیا۔ کرسی صدارت پر ایک بڈھے آریہ سماجی
سوامی تھے۔ میں نے اواگون یا تناسخ چکر پر اعتراض کیا
اور اسکو مذہبی۔ اقتصادی۔ سیاسی اور سوشیل پہلو
سے کمزور ترین اور لغو ترین مسئلہ ثابت کیا۔ آریہ پنڈت
کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وہ مجھ سے بھی وہی حجت بازی

کرنا۔ جو میں نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ کی تھی۔ اس نے بالکل نیم دلی سے میرے سوال کا جواب دینے کی کوشش کی۔ مگر دو دو رہ گیا۔ اس کے بعد میں نے پے در پے ایک درجن ایسے اعتراضات کئے۔ کہ آریہ پنڈت کا رنگ فق تھا۔ جلسہ میں سناٹا تھا۔ جب شنکا سمادھان کا وقت ختم ہو گیا۔ تو جلسہ کے صدر جناب سوامی صاحب نے جنکا نام نامی اگر میں بھولتا نہیں ہوں۔ سوامی سرود انند تھا۔ کھڑے ہو کر میرا شکریہ ادا کیا۔ اور ساتھ ہی کہہ دیا۔ کہ ہمارے پنڈت شرمیان دھرمپال جی نے اواگون پر جو شنکائیں کی ہیں۔ شوک ہے۔ کہ ہمارے اتر داتا ان کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ میں کرتگیہ ہونگا یدی ہمارے پنڈت دھرمپال جی آپ ہی ان شنکاؤں کا سمادھان کرکے ہمیں کرتارتھ کریں۔ میں نے سوامی جی کی اس فراخدلی اور سپشٹ الوچنا کو سنکر کہا۔ سوامی جی مہاراج! کیا آپ ان شنکاؤں کا جواب میری زبان سے سننا چاہتے ہیں۔ اور ابھی سننا چاہتے ہیں۔ سوامی جی نے فرمایا۔ ہاں ابھی سنا دیں۔ تو بہت ہی اچھا ہو میں نے کہا۔ سوامی جی آپ جس کرسی پر بیٹھے ہیں۔ کسی زمانہ میں میں اس کرسی پر بیٹھا کرتا تھا۔ اور مجھ پر پھولوں کی بارش ہوتی تھی۔ مگر ان شنکاؤں کی بدولت جو میں نے پیش کی ہیں۔ آج میں آپ کے مدمقابل بیٹھا ہوں۔ مجھے ان شنکاؤں کا صرف ایک ہی جواب ملا ہے۔ اور وہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں سنجیدہ تھا۔ شاہ آدھیش سوامی نے ادب سے سر جھکا لیا وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ میں اسی دن شام کو گھر واپس آ گیا

پاکستان پرنٹنگ ورکس ایبٹ روڈ میں چھپوا کر غازی محمود دھرمپال بی۔اے نے ۱۲/۳۰ لینن روڈ لاہور سے شائع کیا

Kashmir and Chitral phantastic challenge !

NEW DELHI, May 26:—Mr. Nehru, the Indian Premier, today challenged the accession of the mountain State of Chitral to Pakistan.

He told a questioner in the Indian Lower House that the 4,000 square mile State now administered by Pakistan was still under the suzerainty of Kashmir which he said had acceded to India in 1947.

Chitral lies on the borders of Pakistan and Afghanistan and has 80,000 people most of them Muslims.

Mr. Nehru said that the Maharaja of Kashmir had exercised suzerainty over Chitral since 1876. Various internal changes had taken place but "the suzerainty of Kashmir continued and I would say continues.

Mr. Nehru said: "The Government of India are not aware of any formal accession of Chitral to Pakistan,.

The accession of Kashmir to India "included the entire territories then within the suzerainty of the Maharaja," he said :

A Government spokesman said later that the ruler of Chitral had entered into an agreement in 1877 seeking Kashmir's protection and recognising its suzerainty.

Britain took over the administration of Chitral when the North-West Frontier Province was formed in 1901 but the Kashmir suzerainty was never abolished, the spokesman sa[illegible] Reuter.

The Custodian Office, Lahore.

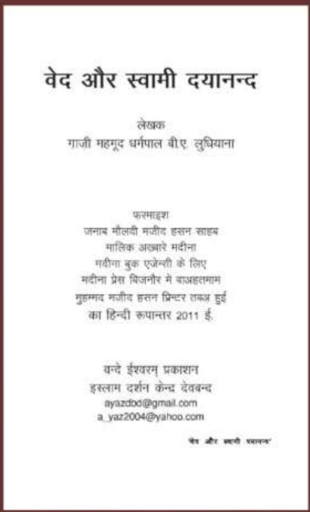
In this land of corruption and nepotism, the Custodian office is the only exception to the rule. One wonders to see how this office with a very few hands, carries out such a stupendous task. We see not only tray loads but some day cart load of multifarious files piled up on the tables and cup boards of the Superintendent and the Deputy Custodian's office. Both these gentlemen have to pull through these judicial, maintenance allowance and recovery cases and all sorts of complaints daily.

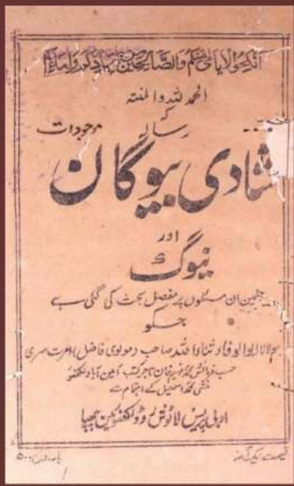
2. It is very funny to note the Custodian office on any sectional holiday. If it is a Muslim holiday one cannot help laugh to see the Superintendent who is most amiable, honest and diligent Christian gentleman sitting alone in his office, as if he was a lion in the zoo. What good can the votaries of One Unit see in this sectional, factional and communal holidaying in the Islamic Republic of Pakistan?

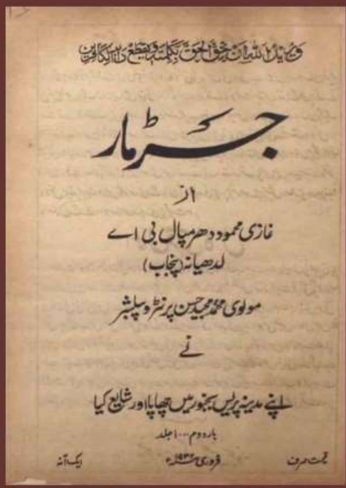
3. Another handicap in the smooth working of the Custodian office is the non-co-operative spirit of the Rehabilitation Department, which is a sort of cold storage for the Custodian's memos, where they lie for weeks and months together, no matter how important they may be. This opiatic lethargy of the Rehabilitation Department is extremely telling against the interest of the refugees. Will the Centre take note of these points?

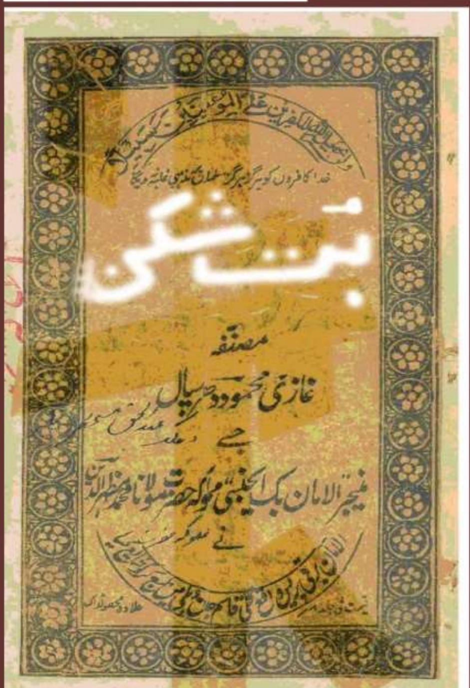
Printed at Pakistan Printing Works, 1, Abbot Road, Lahore and published by Ghazi Mahmood Dharampal, BA, from 12/30 Nisbet Road, Lahore.

Ghazi Mahmud Dharampal
Books available on
www.archive.org
& www.rekhta.org









but-shikan' by Ghazi Mahmud Dharmpal (Ex- Arya Pandit)



Ebook by : MUK